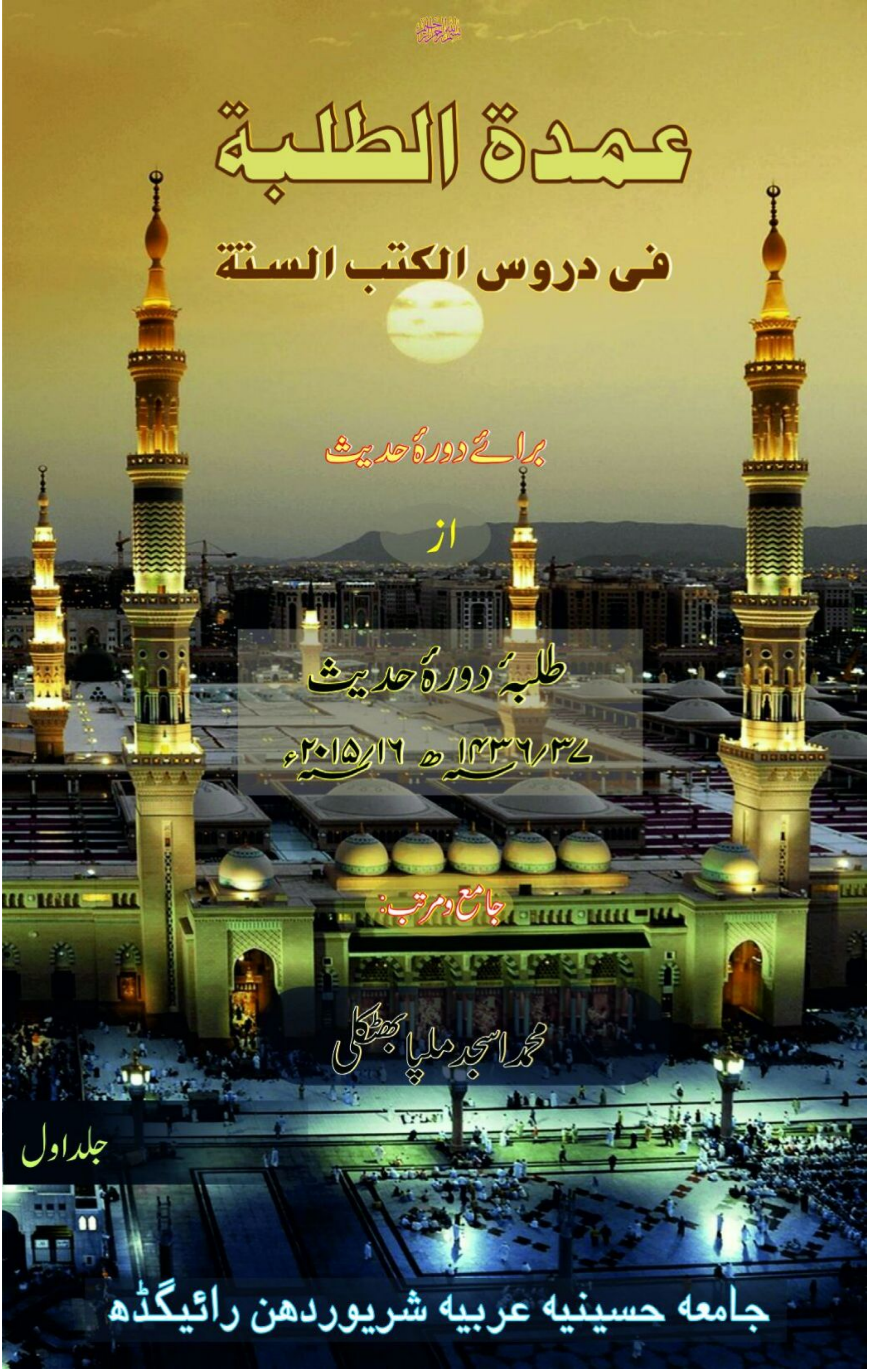


بسم اللہ الرحمن الرحیم

عمدة الطلبة

فی دروس الکتب الستة

برائے دورۂ حدیث

از

طلبۂ دورۂ حدیث

۱۴۳۶/۳۷ھ ۲۰۱۵/۱۶ء

جامع ومرتب:

محمد اسجد ملپا بھٹکلی

جلد اول

جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن رائیگڈھ

كتاب الصلاة

كتاب الجمعة

كتاب العيدين

كتاب الوتر

كتاب سجود القرآن

كتاب تقصير الصلاة

كتاب العمل فى الصلاة

كتاب السهو

كتاب الجنائز

کتاب المناسک

کتاب الزکوۃ

کتاب فضائل المدینۃ

کتاب الصوم

كتاب البيوع

كتاب الحرث والمزارعة

كتاب في الخصومات

كتاب اللقطة

كتاب الجهاد

كتاب فرض الخمس

از : طلبۂ دورۂ حدیث
۱۴۳۶/۳/۲۷ھ ۱۶/۱/۲۰۱۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب كيف كان بدؤ الوحی رسول الله ﷺ

سوال (۱) عن عمر بن خطابؓ قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : إنما الأعمال بالنيات ،وإنما لامرئ ما نوى ، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبهااو إلى امرأة ينكحها،فهجرته إلى ما هاجر إليه. (بخاری : ا۔ فتح الباری : ا)

ترجمہ، نیز نیت کا مطلب کیا ہے لغۃ وشرعا؟ نیت کا حکم، نیز اعمال کفار معتبر ہیں یا نہیں؟اور اس روایت کے سلسلے میں ائمہ کے اقوال بیان کیجیے، نیز ہجرت کے کیا معنی ہیں؟اور اسکی قسمیں بیان کیجیے۔

جواب :

ترجمہ : نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے،اور آدمی کے لئے وہی ہے جسکی اس نے نیت کی ،لہذا جس نے دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اسکی ہجرت اسی کی طرف سمجھی جائے گی جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔

نیت : لغة : امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''القصد:وهي عزيمة القلب '' کہ نیت قصدوارادہ اورعزیمۃ القلب کا نام ہے۔

شرعا :''قصد الشئ مقترنا بفعله'' کسی چیز کا ارادہ کرنا درآنحالیکہ وہ قصد وارادہ اس کے فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو۔(فتح الباری ص:۱۳)

نیت کے حکم کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے :

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کہ شوافع کے نزدیک راجح یہ ہے کہ نیت رکن ہے،یعنی اسکا عمل کے شروع میں پایا جانا،اور آخر تک باقی رہنا ضروری ہے،اس طور پر کہ خلاف نیت کوئی بات نہ پائی جائے۔

اعمال کفار کے سلسلے میں حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں: کہ انکا اعتبار نہیں کیا جائے گا،البتہ صدقہ وغیرہ بعض اعمال دلائل کی وجہ سے مستثنی ہیں،لیکن عبادات میں انکے اعمال کا اعتبار نہیں ہیں۔

اس روایت کے سلسلے میں **عبدالرحمٰن بن مھدیؒ**،**امام شافعیؒ**،**امام احمد بن حنبلؒ**،**علی بن مدینیؒ**،**ابوداوٗدؒ**،**ترمذیؒ**،اور **دارقطنیؒ** کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ ثلث الاسلام ہے۔اور بعض کہتے ہیں: کہ ربع اسلام (چوتھائی اسلام) ہے۔ نیز **عبدالرحمٰن بن مھدیؒ** فرماتے ہیں کہ یہ حدیث علم کے تیس (۳۰) ابواب میں داخل ہوسکتی ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ستر (۷۰) ابواب میں داخل ہوسکتی ہے۔(فتح الباری ص :۱/۱۱)

ہجرت : لغة : الترک . چھوڑنا،یعنی ایک چیز چھوڑ کر دوسری چیز اختیار کرنا۔

شرعا : **ترک ما نهى الله عنه** کہ اللہ نے جن چیزوں سے منع فرمایا انہیں چھوڑ دینا۔

ہجرت کی قسمیں:

(۱) الإنتقال من دار الخوف إلى دار الأمن . کہ دارالخوف سے دارالامن کی طرف ہجرت کرنا،جیسا کہ مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔

(۲) الإنتقال من دار الكفر إلى دار الإيمان . کہ دارالکفر سے دارالایمان کی طرف ہجرت کرنا،جیسا کہ صحابہ اور رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔(فتح الباری ص : ۱/۱۶)

سوال :(۲) أن الحارث بن هشام سأل رسول الله ﷺ فقال : يا رسول الله ﷺ ! كيف يأتيک الوحی ؟ فقال رسول الله ﷺ : أحيانا يأتيني مثل صلصلة الجرس ....الخ (بخاری : ح : ۲)

ترجمہ، روایت میں تعارض ہو تو دفع کریں، صلصلۃ الجرس کا مطلب اور تعارض ہو تو دفع کریں۔

جواب :ترجمہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبھی تو گھنٹی کی جھنکار کے مانند آتی ہے اور یہ وحی مجھ پر سخت ہوتی ہے ،پھر یہ وحی مجھ سے موقوف ہوجاتی ہے، درآنحالیکہ جو کچھ فرشتہ نے کہا تھا میں یاد کر چکا ہوتا ہوں،اور کبھی فرشتہ انسان کی شکل میں میرے پاس آتا ہے، پھر مجھ سے بات کرتا ہے، چنانچہ جو کچھ کہتا ہے، میں اسے یاد کرلیتا ہوں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ سخت سردی کے زمانے میں آپ ﷺ پر وحی نازل

ہوتی تھی پھر وحی آپ ﷺ سے موقوف ہو جاتی تھی، درآنحالیکہ آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ پھوٹتا تھا۔

تعارض : یہاں تعارض یہ ہے کہ اس حدیث میں صرف دو حالتوں کو بیان کیا گیا ہے، جب کہ دوسری روایات میں اس سے بھی زیادہ حالتیں وارد ہیں۔ جیسے ''نفث فی الروع'' اور الہام وغیرہ۔

جواب : اس کے دو جوابات دیے گئے ہیں: (۱) آپ ﷺ نے اغلب صورتوں کو بیان کیا اور یہ جواب زیادہ راجح ہے۔

(۲) جس وقت سوال کیا گیا اس وقت نزول وحی کی یہی دو ۲/صورتیں تھیں، لیکن یہ جواب زیادہ قوی نہیں ہے۔

صلصلة الجرس کا مطلب حافظ صاحبؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک لوہے کو دوسرے لوہے پر مارنے اور رگڑنے کے بعد جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے صلصلة الجرس کہتے ہیں۔ (فتح الباری: ۲۰/۱)

تعارض : اس روایت میں صلصلة الجرس کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں دوی النحل کا ذکر آیا ہے۔

جواب : اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ کیفیت کا اختلاف سامعین اور حاضرین کے مطابق ہے، کہ بعض صحابہؓ سے دوی النحل سے تعبیر کیا اور بعض نے اسے صلصلة الجرس سے تعبیر کیا، یا یہ کہ دوی النحل صحابہ کے اعتبار سے اور صلصلة الجرس یہ آپ ﷺ کے اعتبار سے ہے۔

کتاب الإیمان

(جمع وترتیب : مولوی محمد اسجد ملپا)

سوال : (۳) **عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ : "بنی الإسلام علی خمس........."** (بخاری : ۸)

ترجمہ ومطلب، ایمان کی لغوی وشرعی تعریف، تصدیق کا کیا مطلب ہے؟ ایمان واسلام کے درمیان کیا تعلق ہے؟ ایمان کے سلسلہ میں فرقۂ ضالہ کے نظریات کیا ہیں؟ کیا ایمان میں کمی وبیشی ہوتی ہے؟۔

جواب : حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا۔

مطلب : روایت کا مطلب یہ ہے کہ اسلام پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ جیسے خیمہ پانچ ستونوں پر قائم ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے اسلام کو تشبیہ دی ہے۔ نیز حدیث میں شہادت کا لفظ آیا ہے، جو آنکھوں دیکھی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ اس طرح گواہی دے گویا اس نے اللہ اور رسول ﷺ کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ اور یہ قلبی عبادت ہے۔ پھر اس کے بعد بدنی عبادت نماز کو ذکر کیا۔ پھر مالی عبادت زکوۃ کا ذکر فرمایا۔ پھر بدنی اور مالی عبادت کے مجموعے یعنی حج کا ذکر فرمایا۔ اور آخر میں ان سب چیزوں کے مجموعے یعنی روزے کا ذکر فرمایا۔ الغرض اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان، قول وعمل دونوں کا نام ہے، اس لئے اس میں قول وعمل دونوں چیزیں آ گئی ہیں۔

ایمان کی لغوی تعریف : ایمان تصدیق کرنے کو کہتے ہیں۔

شرعی تعریف : علامہ ابن حجرؒ قمطراز ہیں: **تصدیق الرسول فیما جاء به عن ربه.** (فتح الباری: ۱/۴۶)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی طرف سے جو لے کر آئے ہیں، اسے مان لینا۔

تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ سامنے والے کی بات مان لینا اور اس کا یقین کرنا اور اپنے آپ کو اسکے تابع کرنا۔ ایمان واسلام کے درمیان تعلق یہ ہے کہ ایمان ماننے کا نام ہے اور اسلام اعمال کا نام ہے لہذا ایمان واسلام، تکمیل کے لئے، ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں۔ اور دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

فرقۂ ضالہ کے نظریات:

(۱) مرجیہ کا کہنا ہے کہ ایمان نام ہے محض تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کا۔ یعنی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کافی ہے۔ اعضاء وجوارح سے عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

دلیل : **من لقیت من وراء هذا الحائط یشهد أن لا اله الا الله ، مستیقنا بها قلبه ، فبشّره بالجنة .** (مسلم: ۵۲)

(۲) کرامیہ کا کہنا ہے کہ ایمان نام ہے محض شہادت کا۔ یعنی زبان سے اقرار کرنے کا، ان کے یہاں ایمان کے ثابت ہونے کیلئے نہ تصدیق کی ضرورت ہے اور نہ

اعضاء وجوارح سے عمل کی۔صرف زبان سے اقرار کافی ہے۔

دلیل: من شهد أن لا إله إلا الله و أن محمَّدا رسول الله ، حرم عليه النار.(مسلم : ۴۷)

(۳) جہمیہ کا کہنا ہے کہ ایمان نام ہے صرف معرفت کا۔زبان سے اقرار،عمل بالارکان اور تصدیق ضروری نہیں۔

دلیل: من مات وهو يعلم أن لا إله إلا الله دخل الجنة. (مسلم ؛۴۳)

(۴) خوارج ومعتزلہ کا کہنا ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی،اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا۔یعنی ایمان،ان تینوں اجزاء سے مرکب ہے۔اگر ان میں سے ایک جز بھی فوت ہوجائے تو ایمان ثابت نہ ہوگا۔لہذا خوارج،مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج اور کافر مانتے ہیں۔

دلیل: من ترک الصلاة متعمدا ،فقد کفر جهارا.(معجم الاوسط :۳۳۴۸)

معتزلہ ایمان سے تو خارج مانتے ہیں،لیکن کافر نہیں مانتے۔

دلیل: لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن.(بخاری : ۶۸۱۰ ،مسلم : ۵۷/۱)

ایمان میں کمی وبیشی ہوتی ہے،جس پر نصوص قرآنیہ اور احادیث مبارکہ دال ہیں،جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے"فزادتهم ايمانا" دوسری جگہ "ليزدادوا إيمانامع ايمانهم" نیز "الإيمان يزيد وينقص"،یہ،ایمان میں کمی بیشی پر دلالت کرتی ہیں۔

سوال :(۴) عن أبی هريرةؓ عن النبی ﷺ قال: الإيمان بضع وستو ن شعبة والحياء شعبة من الإيما ن(بخاری : ۹)

روایت کا ترجمہ ومطلب بیان کیجیے، نیز عدد کے سلسلہ میں جو تعارض واقع ہوا ہے،اسے دور کیجئے،اور حیاء کا کیا مطلب ہے؟۔

جواب : ترجمہ : نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ساٹھ (۶۰) سے زائد شعبے ہیں اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

مطلب: ایمان کے درجات اور حصے ہیں،اور وہ ساٹھ (۶۰) سے زائد شعبوں اور حصوں پر مشتمل ہے،اور ان شعبوں میں ایک شعبہ حیاء بھی ہے،اس لئے فرمایا کہ حیاء بھی ایمان کا حصہ اور شعبہ ہے۔

عدد کا تعارض : دراصل یہ حدیث مختلف طرق سے وارد ہے،چنانچہ ابوعوانہ نے "بضع وستون أو بضع وسبعون" کا ذکر کیا ہے اور ابوعوانہ نے اپنی صحیح کے اندر ایک طریق میں "ست وسبعون أو سبع وسبعون" ذکر کیا ہے،لیکن امام بیہقیؒ نے بخاری کی روایت یعنی (بضع وستون) کو راجح قرار دیا ہے اس لئے کہ یہ متیقن ہے اور دیگر تمام روایات کے عدد میں شک ہے۔امام ترمذیؒ نے "اربع وستون" کا لفظ ذکر کیا ہے۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ معلول ہے اور اگر حدیث بالفرض صحیح بھی ہو،تب بھی وہ بخاری کی روایت کے مخالف نہیں ہے،اس لئے کہ "أربع وستون" یہ "بضع وستون" میں داخل ہے۔

حیاء : لغۃ: ایسا تغیر اور انکسار جو عیب دار چیز کے خوف سے انسان میں پیدا ہوتا ہے۔

شرعا: "خلق يبعث على اجتناب القبيح ويمنع من التقصير فی حق ذی الحق ."

وہ اخلاق جو آدمی کو قبیح چیز سے اجتناب پر ابھارے اور حقدار کے حق میں کوتاہی سے مانع بنے۔(فتح الباری: ۵۲/۱)

سوال :(۵) عن أبی هريرةؓ قال : كان النبی ﷺ بارزا يوما للناس ،فأتاه رجل ، فقال:ما الإيمان ؟

ترجمہ،ایمان اور اسلام کے سلسلے میں علماء کے اقوال بیان کیجیے، نیز احسان کا مطلب اور درجات کو بیان کیجیے، نیز اس حدیث کا سیاق یہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی رؤیت دنیا میں ممکن نہیں ہے،تو پھر آپ ﷺ کو کیسے رؤیت حاصل ہوئی ؟ نیز علامات قیامت کو بیان کیجیے اور "إذا ولـدت الأمة ربتهـا" کا مطلب بیان کیجیے۔

جواب : ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے،ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟

ایمان اور اسلام کے سلسلے میں علماء کے اقوال:

حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں ایک ہی ہے، امام مزنیؒ بھی اسی کے قائل ہیں، لیکن امام احمدؒ کے نزدیک دونوں بالجزم علاحدہ ہے ،اور امام خطابی کا قول یہ ہے کہ دونوں کے درمیان عموم خصوص کی نسبت ہے، کہ ہر مؤمن مسلمان ہے لیکن ہر مسلمان کا مؤمن ہونا ضروری نہیں ہے۔
(فتح الباری : ۱۱۵)

احسان کا مطلب اور درجات:

احسان کا مطلب ہے عبادات کے اندر اخلاص پیدا کرنا اور خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کرنا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر سمجھنا۔ آپ ﷺ نے احسان کے دو درجے بیان کئے ہیں (۱) مشاہدہ ہو، یعنی میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں (۲) مراقبہ یعنی اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔

☆ آپ ﷺ کو جو رؤیت حاصل ہوئی ہے وہ معراج میں ہوئی ہے اور یہ عالم بالا کا معاملہ ہے اسے اس عالم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

إذا ولدت الأمة ربتها:

بعض نے کہا جب حکومت پھیل جائے گی تو لوگ باندیوں سے نکاح کریں گے پھر جو اولاد ہوگی وہ باندی (ماں) کی مالکہ اور آقانی ہوگی، اور ایک قول یہ ہے کہ آئندہ چل کر بہت زیادہ نافرمانی ہوگی، اور اولاد اپنے والدین کے ساتھ ظالم کی طرح معاملہ کرے گی، اور شاہ صاحب نے خلاصہ کلام یہ لکھا ہے کہ اصول، فروع اور فروع، اصول ہو جائینگے۔

سوال :(۶) قال رسول الله ﷺ : الحلال بين والحرام بين ،وبينهمامشتبهات،لايعلمهاكثير من الناس ،فمن اتقى المشتبهات استبرأ لدينه وعرضه .الخ.....(بخاری : ۵۲)

ترجمہ، نیز قلب کو قلب کیوں کہتے ہیں، اور وہ کونسی چار روایات ہیں، جنھیں جامع دین میں شمار کیا جاتا ہے۔

جواب :ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہے، بہت سارے لوگ انہیں نہیں جانتے ہیں ،پس جو شخص مشتبہات چیزوں سے بچا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا۔ الخ..................سنو! وہ قلب یعنی دل ہے۔

قلب کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ قلب کے معنے ہیں الٹنا پلٹنا، اور قلب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلتا اور الٹتا پلٹتا رہتا ہے، یا اس لیے کہ اس سے جسم میں مقلوب (الٹا) رکھا گیا ہے۔ یا اس لیے کہ وہ بدن کا خلاصہ ہوتا ہے، اور ہر چیز کا خلاصہ اسکا قلب کہلاتا ہے۔

چار روایات ہیں، جنھیں جامع دین میں شمار کیا جاتا ہے:

(۱) الحلال بين والحرام بين (۲)إنماالأعمال بالنيات (۳)لايكون المؤمن مؤمناحتى يرضى لأخيه مايرضى لنفسه (۴)من حسن اسلام المرء تركه مالايعنيه اور بعض نے **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده** ،اور امام ابوداوٗد نے **مانهيتكم عنه فاجتنبوا** کو شمار کیا ہے۔

سوال : (۷) عن ابی هريرةؓ قال : قال رسول الله ﷺ لعمه ،قل لا اله الاالله ،اشهد لک بها يوم القيامة،قال ،لو لم ان تعيِّرُنی قريش يقولون ،انما حمله على ذالک الجزع لأقررتُ بهاعينک ،فأنزل الله تعالىٰ ''إنک لا تهدی من احببت ولکن الله يهدی من يشاء''

حدیث کی توضیح ،توحید وایمان کی حالت میں وفات پانے والا گنہگار شخص کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا موقف دلائل کے ساتھ لکھیں ،اس سلسلے میں خوارج ،معتزلہ اور مرجئہ کے نظریات لکھ کر ان کا دلائل کے ساتھ رد فرمائیں۔

جواب : **توضیح :** حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں: کہ جب رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ ﷺ نے چچا سے فرمایا: کہ تم ''لا الہ الا اللہ'' کہو میں کل قیامت کے دن تمھاری سفارش کروں گا، لیکن ابو طالب نے کہا، اگر قریش میرے سر پر بدنامی کا داغ نہیں لگاتے کہ میں نے عذاب آخرت پر بے صبری کی وجہ سے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے، تو میں ضرور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، بے شک آپ اس کو ہدایت نہیں دے سکتے، جسکو آپ چاہتے ہیں، لیکن اللہ جسکو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔

☆ اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ جو موحد انتقال کر جائے وہ قطعی طور پر جنت میں داخل ہوگا، جب کہ گناہوں سے محفوظ ہو، جیسے گناہ صغیرہ یا کبیرہ لیکن صحیح توبہ کی ہو۔اور اگر کوئی مرتکب کبیرہ ہو، اور توبہ کئے بغیر مرجائے، تو وہ اللہ کی مشیت میں ہے، اگر اللہ چاہے تو معاف کرے، اور جنت میں اول وحلہ میں ہی داخل کرے، جیسے پہلی قسم والے ہیں، اور اگر چاہے تو عذاب دے پھر جنت میں داخل کر دے، لیکن جو توحید پر مرے، وہ مخلد فی النار نہیں ہوگا۔

دلیل : (۱) من قال لااله الا الله دخل الجنةوإن زنا وإن سرق

(۲) قال النبی ﷺ یخرج من النار من فی قلبه مثقال ذرة من الإیمان .

(۱) معتزلہ وخوارج کا کہنا ہے کہ مرتکب کبیرہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

دلیل : (۱) قال النبی ﷺ العهد الذی بینناوبینهم الصلاة ،فمن ترکها فقد کفر .

(۲) لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن .

وجہ استدلال : ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ان احادیث میں تارک صلاۃ کو کافر اور زانی کو ایمان سے خارج کر دیا گیا ہے، لہذا گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہوجائے گا، اور مخلد فی النار ہوگا۔

جواب : جن احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے، یہ احادیث تغلیظ وتشدید پر محمول ہیں، نہ کہ حکم صریح پر، جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: **النکاح من سنتی فمن رغب عنه فلیس منی** اسکا ظاہری مطلب یہی ہے کہ نکاح نہ کرنے والا مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔اگر ہم سکے ظاہری معنی لے تو اس وعید کے تحت وہ بھی آجائے گا جو بالغ ہونے کے باوجود نکاح نہ کیا ہو، ظاہری معنی کی بناء پر وہ اتنا وقت ایمان سے خارج ہوگا، لیکن اسکے قائل وہ بھی نہیں ہیں۔

چنانچہ **فمن ترکها فقد کفر** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نماز کے ترک کو حلال سمجھ کر چھوڑے گا، تو وہ کافر ہوگا۔اور دوسری حدیث **لا یزنی الزانی** ...... یہ بھی تغلیظ کیلئے ہے، اور یہاں کمال نفی ہے، بالکلیہ نفی نہیں ہے۔

(۲) مرجئہ کا کہنا ہے کہ مؤحد کتنا بھی بڑا گناہ کرلے وہ جنت میں جائے گا۔

دلیل : من قال لااله الاالله دخل الجنةوإن زنی وإن سرق.

وہ کہتے ہیں کہ لااله الاالله کے قائل کیلئے جنت کی خوشخبری ہے، چاہے وہ زنا کرے، چاہے وہ چوری کرے۔

جواب : بیشک **لااله الاالله** کا قائل جنت میں ان شاءاللہ ضرور داخل ہوگا، لیکن اپنے برے اعمال کی سزا پاکر، جیسے کہ اس سلسلے میں متعدد احادیث وارد ہیں، اور فاسقوں کیلئے جہنم کی وعیدیں بھی آئی ہیں، ایک حدیث میں ہے، **لا یدخل الجنة قاطع رحم** ایک اور حدیث میں ہے **لا یدخل الجنة قتات** اور ایک حدیث میں ہے **لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر** ، ان احادیث سے واضح ہوجاتا ہے کہ مؤمن فاسق بھی جہنم میں جاسکتا ہے، لہذا یہ کہنا کہ مؤمن فاسق ہر حال میں بخشا بخشایا ہے، یہ درست نہیں۔(مسلم مع شرح النووی : ۱/۴۰/۴۱)

جمع وترتیب : مولوی محسن کلی

سوال :(۸) إذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول فی النار .

ترجمہ، مقتول کے فی النار ہونے کا سبب؟

جواب :ترجمہ : جب دو مسلمان اپنی تلواریں لیکر آپس میں بھڑ جائے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہونگے۔

☆ مقتول کے فی النار ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ بھی اپنے بھائی کے قتل کا حریص اور خواہش مند تھا۔

☆ اس حدیث کا تعلق جنگ جمل سے ہے۔حضرت احنف بن قیس فرماتے ہیں: کہ جنگ جمل کے موقع پر میں حضرت علیؓ کی اعانت کے ارادہ سے نکلا لیکن حضرت ابوبکرہ نے ان کو روک لیا اور حضور ﷺ کی یہ حدیث سنائی پھر میں رک گیا۔

حضرت ابوبکرہ نے اسلئے منع کیا تھا کہ ان کے نزدیک یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ حق پر کون ہے؟ چنانچہ وہ بالکل کنارہ کش رہے اور احنف بن قیس بھی شریک نہ ہوئے ان کے منع کرنے کی وجہ سے لیکن بعد میں احنف پر حق واضح ہوگیا تھا کہ حضرت علیؓ حق پر ہیں تو جنگ صفین میں اس کے ساتھ رہے۔

☆ احنف بن قیس کا نام ضحاک ہے، یہ تابعی ہیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن زیارت سے محروم رہے۔

کتاب العلم

(جمع وترتیب : مولوی محمد اسجد ملپا)

سوال :(۹) عن ابن عمرؓ قال : قال رسول اللہ ﷺ إن من الشجر شجرة لا يسقط ورقها وإنهامثل المؤمن ...(بخاری وفتح : ۶۲)

ترجمہ ومطلب بیان کیجیے، نیز حدثنا، اخبرنا، اورأنبأناکے متعلق علماء کے اقوال واختلاف کوزیب قرطاس کیجیے، اور''ح'' کا کیا مطلب ہے، اس کے پڑھنے کے بارے میں اختلاف محدثین کرام بیان کیجیے، قوت حفظ اور صحبت شیخ کے اعتبار سے رواۃ کے طبقات کتنے اور ان کے کیا نام ہیں؟ اوران طبقات رواۃ کے اعتبار سے''صحاح ستہ'' میں درجہ بندی کیا ہے؟ نیز اس حدیث کے فوائد کو بیان کیجیے، اور کچھ تعارض ہو تو دفع کیجیے۔

جواب : ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ہے، جسکے پتے نہیں جھڑتے، اور وہ مسلمانوں کے مانند ہے، لہذا تم مجھے بیان کرو، کہ وہ کونسا درخت ہے؟ تو صحابہ جنگل کے درختوں میں پڑھ گئے، حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں، میرا دل کھٹک گیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن مجھے شرم محسوس ہوئی، پھر صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہی بتلا دیجیے، کہ وہ کونسا درخت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

مطلب : آپ ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ سے ایک سوال کیا کہ وہ کونسا درخت ہے، جسکے پتے نہیں جھڑتے، اور اسکی مثال بیان کی کہ وہ مسلمان کی طرح ہے۔ کہ جس طرح مسلمان سراپا برکت ہوتا ہے، وہ برکت خود اسے بھی حاصل ہوتی ہے، اور دوسروں کو بھی، حیات میں بھی اور موت کے بعد بھی، اسی طرح وہ درخت بھی لوگوں کے لئے باعث برکت ہے کہ اسکی ہر ہر چیز میں برکت پائی جاتی ہے، اور ہر حال میں پائی جاتی ہے، کہ اسکا پھل کھایا جاتا ہے، اور اس کے علاوہ اسکے تمام اجزاء سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اسکی گھٹلی جانوروں کے کھانے کے کام آتی ہے۔

☆ لغوی اعتبار سے اخبرنا، حدثنا، اورانبأنا سب ایک ہی معنی میں ہے، لیکن حافظ صاحبؒ نے اسحاق بن راہویہؒ، ابن حبانؒ اور نسائیؒ کو یہ مسلک نقل کیا ہے کہ اگر شاگرد نے استاذ کے سامنے پڑھا ہے تو اخبرنا کہے گا، اور اگر استاذ نے پڑھا ہے تو حدثنا کہے گا، اور اگر استاذ نے صرف اجازت دی ہے تو پھر انبأنا کہے گا۔

''ح'' یہ''ح''رمز ہے تحویل کا۔ اور تحویل کا معنی ہے، بدل جانا۔ یعنی ایک سند سے دوسری سند کی طرف بدل جانے کو اس 'ح' سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ اسکے تلظ میں قدر اختلاف ہے۔

(۱) علمائے مغرب : تحویل کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۲) علمائے مشرق : ''ح'' کو 'حاء' کے ساتھ پڑھتے ہیں، تحویل نہیں پڑھتے ہیں۔

قوت حفظ اور صحبت شیخ کے اعتبار سے رواۃ کے پانچ طبقات:

(۱) قوی الضبط و کثیر الملازمة

(۲) قوی الضبط و قلیل الملازمة

(۳) قلیل الضبط و کثیر الملازمة

(۴) قلیل الضبط و قلیل الملازمة

(۵) الضعفاء والمجاهيل.

صحاح ستہ کی درجہ بندی:

(۱) صحیح بخاری (۱) صحیح مسلم (۳) سنن نسائی (۴) سنن ابی داؤد (۵) سنن ترمذی (۶) سنن ابن ماجہ۔

فوائد حدیث:

روایت سے زیادتی افہام کے لئے مثالیں بیان کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، نیز پہیلی کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور بڑوں کا احترام بھی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ ابن عمرؓ خاموش رہے۔

اعتراض: اس حدیث سے پہیلی کا جواز معلوم ہوتا ہے، جبکہ دوسری حدیث میں پہیلی کی ممانعت آئی ہے۔

اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے مطلقا پہیلی کی ممانعت مراد نہیں ہے، حافظ صاحب نے فرمایا: کہ اس سے وہ پہیلی مراد ہے جسمیں کوئی فائدہ نہ ہو، البتہ اگر فائدہ کے لئے ہو تو پھر پہیلی کو ذکر کر سکتے ہیں، جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

سوال :(۱۰) باب ما یذکر فی المناولة وکتاب اهل العلم إلی البلدان . عن انس ؓ قال : کتب النبی ﷺ کتابافقیل له انهم لا یقرؤن کتابا إلا مختومافاتخذ خاتما من فضة ،نقشه محمد رسول الله ﷺ (بخاری : ۶۶۔ فتح الباری :۶۵)

ترجمہ،قرآن تو آپ کوامی بتارہاہے، پھرروایت میں(کتب النبی ﷺ)یعنی کتابت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کس طرح کردی گئی ؟ نیز مکاتبہ،اورتحمل حدیث کے دیگراقسام کی تشریح کیجیے۔

جواب : ترجمہ: حضرت انس ؓفرماتے ہیں: آپ ﷺ نے ایک خط لکھا،تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ وہ مہرلگا ہواہی خط پڑھتے ہیں،تو آپ ﷺ نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی،جسکا نقش محمد رسول اللہ ﷺ تھا۔

کتابت کی نسبت آپکی طرف یہ حکم دینے کے اعتبارسے ہے،گویا کتابت کی نسبت آپکی طرف مجازی ہے۔

تحمل حدیث کےاقسام :

(۱) **المناولة** : شیخ طالب علم کواپنی مرویات کا مجموعہ دےاسے مناولہ کہتے ہیں۔

مناولہ کی دوقسمیں ہیں : (۱)**المناولة المقرونة بالإجازة** ، وہ مناولہ جواجازت صریحہ سے ملاہواہو،یعنی شیخ اپنی روایتوں کا مجموعہ دیکرروایت کرنے کی اجازت دے۔ (۲)**المناولة المجردة عن الإجازة** ، وہ مناولہ جواجازت صریحہ سے خالی ہوکہ شیخ اپنی روایتوں کا مجموعہ دے،لیکن روایت کرنے کی اجازت نہ دے۔

(۲) **المکاتبه** : شیخ طالب علم کیلئے اپنی مرویات لکھے،چاہےخود کے خط سے ہویاکسی دوسرے کولکھنے کی اجازت دے۔

(۳) **السماع من لفظ الشیخ** : شیخ اپنی کتاب یااپنے حافظے سے حدیث پڑھےاورشاگرداسے سنے۔

(۴) **القرأة علی الشیخ** : کوئی شاگرداپنے شیخ کے سامنے کتاب سے یااپنے حافظے سے حدیث پڑھے،اورشیخ اسے سنے،اس طریقے کو"عرض" بھی کہا جاتاہے۔

(۵) **الإجازة** : شیخ اپنے شاگردکواپنی مسموعات کے روایات کرنے کی لفظایا کتابۃً اجازت دے۔

(۶) **الأعلام** : شیخ طالب علم سے کہے:"**إن هذا الکتاب او الحدیث من مسموعاتی عن فلان**"

(۷) **الوصیة** : شیخ اپنی موت یاسفر کے وقت کسی متعینہ شخص کو یاکسی متعینہ شخص کے لئے اپنی مروات کی وصیت کرے۔

(۸) **الوجادة** : طالب حدیث کسی کتاب کو یاکسی حدیث کوایسے خط میں لکھاہواپائے،جسکے کاتب کووہ جانتاہو۔

کتاب الطھارة

(جمع وترتیب : مولوی فیض اقبال بوبیرے)

سوال : (۱۱) لاتقبل صلاة بغیر طهور .(سنن ترمذی : ۳)

ترجمہ،قبول کے معنی،نیز مسئلہ فاقد الطھورین میں ائمہ کے مسالک ودلائل تحریر کیجیے۔

جواب :ترجمہ کوئی نماز پاکی کے بغیر قبول نہیں کی جاتی۔

قبول کے معنی : قبول کے دومعنی ہیں : (۱) قبول بمعنی صحت (۲) قبول بمعنی رضا

مثلاحدیث میں ہے"**لا تقبل صلوٰة حائض إلا بخمار**"،کسی بھی بالغ عورت کی نماز قبول نہیں کی جاتی مگراوڑھنی کے ساتھ۔اس میں قبول بمعنی صحت ہے۔اوردوسری حدیث میں ہے"**من أتی عرافا فسأله عن شئ ،لم تقبل له صلوة أربعین لیلة**"(جوشخص کاہن کے پاس جائےاوراس سےغیب کی باتیں پوچھے،اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں کی جاتی)۔اسمیں قبول بمعنی رضاہے۔

مسئلہ فاقد الطھورین : اگرکسی کے پاس اسباب طہارت نہ ہوں تووہ کیا کرے؟ اس میں ائمہ اربعہ کااختلاف ہے۔

(۱) **امام اعظم ابوحنیفہؒ**فرماتے ہیں : "**لا یصلی ویقضی**"فی الحال نماز نہیں پڑھےگا،بعد میں قضاء کرےگا۔

دلیل : لاتقبل صلاۃ بغیر طھور . اور جب آلہ پاکی موجود نہیں تو فی الحال نماز نہیں پڑھے گا، بلکہ جب پانی یا مٹی پر قادر ہوگا، تب وضو کرکے یا تیمّم کرکے نماز قضاء کرے گا۔

(۲) **امام احمدؒ** فرماتے ہیں: "یصلی و لا یقضی" فی الحال نماز پڑھے گا اور بعد میں قضاء نہیں کرے گا، کیونکہ قاعدہ ہے: "لا یکلف الله نفسا إلا وسعھا" (انسان کو اللہ تعالی طاقت سے زیادہ کا حکم نہیں دیتا) اور یہ شخص اسباب طہارت پر قادر نہیں، پس پاکی حاصل کرنے کا بھی مکلّف نہیں، اور نماز پڑھنے پر قادر ہے اس لئے طہارت کے بغیر ہی نماز پڑھے گا اور آئندہ قضاء کی حاجت نہیں۔

(۳) **امام مالکؒ** فرماتے ہیں: "لا یصلی و لا یقضی" نہ فی الحال نماز پڑھے گا اور نہ قضاء کرے گا، فی الحال اس لئے نہیں پڑھے گا کہ حدیث ہے: "لاتقبل صلاۃ بغیر طھور." اور قضاء اس لئے نہیں کرے گا کہ "لا یکلف الله نفسا إلا وسعھا" جب وہ شرط یعنی پاکی کے ساتھ نماز ادا کرنے پر قادر نہیں تو وہ مکلّف بھی نہیں۔

(۴) **امام شافعیؒ** فرماتے ہیں : "یصلی ویقضی" فی الحال نماز بھی پڑھے گا اور بعد میں قضاء بھی کرے گا، فی الحال تو اس لئے پڑھے گا کہ نماز کا وقت داخل ہوتے ہی حکم خداوندی: "أقیموا الصلاۃ" متوجہ ہوتا ہے، لہذا اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اور چونکہ یہ نماز پاکی کے بغیر پڑھی گئی ہے جو کہ صحیح نہیں اس لئے قضاء بھی کرے گا۔ (تحفۃ الالمعی شرح سنن ترمذی : ۱/۱۸۶) اذاأمرتکم بشئی فافعلوا منه مااستطعتم

(۵) **امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ** فرماتے ہیں : فاقد الطھورین اسوقت تو محض تشبہ بالمصلین کرے گا، یعنی نماز کی ہیئت بنائے گا، قرأت نہ کرے گا، اور بعد میں قضاء لازم ہے اور حنفیہ کے نزدیک اسی پر فتویٰ ہے۔ والله أعلم بالصواب .

سوال: (۱۲) مفتاح الصلوٰۃ الطھور وتحریمھاالتکبیر وتحلیلھاالتسلیم.
ترجمہ، مسائل مذکورہ کو مع اختلاف ائمہ وادلہ قلمبند کیجیے۔

جواب : ترجمہ: نماز کی کنجی پاکی ہے، اور نماز کا تحریمہ تکبیر ہے اور نماز کو ختم کرنے والی چیز تسلیم ہے۔

تکبیر نماز کا رکن ہے یا شرط؟

ائمہ ثلاثہؒ : تکبیر تحریمہ رکن ہے۔

امام ابوحنیفہؒ : تکبیر تحریمہ شرط ہے۔

تکبیر کے سلسلے میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے:

احنافؒ : کے نزدیک ایسے الفاظ سے تکبیر تحریمہ کافی ہے جس میں اللہ کی کبریائی ہو۔

دلیل : (۱) "وربک فکبر" احناف اس آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔

(۲) "وذکر اسم ربه فصلی"

جواب : لیکن روایات میں عموماً "اللّٰہ اکبر" سے ابتداء وارد ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ : کے یہاں "اللّٰہ اکبر" کے الفاظ ضروری ہیں۔

امام شافعیؒ : کے نزدیک "اللّٰہ اکبر" اور "اللّٰہ الأکبر" کے الفاظ کافی ہے۔

دلیل : امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کہ "اللّٰہ الاکبر" میں "الف" اور "لام" کے زیادہ کرنے سے نہ الفاظ میں خلل پیدا ہوتا ہے اور نہ معنی میں، لہذا الف ولام کو زیادہ کیا جاسکتا ہے۔

امام ابویوسفؒ : کے نزدیک "اللّٰہ الکبیر" کے الفاظ بھی کافی ہیں۔

علت : یہ لفظ حدیث کے لفظ "کبیر" سے خارج نہیں ہے۔

جواب : اگر یہ لفظ "کبیر" حدیث کے لفظ سے خارج نہیں تو اس لفظ سے تو خارج ہے جس سے عامتاً تکبیر تحریمہ کہی جاتی ہے۔

تسلیم کے سلسلے میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے:

(۱) ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک نماز سے فارغ ہونے کے لیے سلام یعنی ''السلام علیکم'' کہنا ضروری ہے۔

دلیل : مذکورہ حدیث : **''مفتاح الصلوٰۃ الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم''**

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز سے فارغ ہونے کے لیے سلام کے علاوہ اور بھی صیغے ہوسکتے ہیں، جیسے: ''**صباح الخير**'' وغیرہ۔

دلیل : ابن مسعودؓ کی حدیث، کہ جس میں نبی کریم ﷺ نے انھیں تشہد سکھلاتے وقت فرمایا کہ '' **إذا قلت أو فعلت فقد قضيت ما عليك إن شئت أن تقوم فقم وإن شئت أن تقعد فاقعد**''

جواب : نماز کے سارے اعمال ایک حدیث میں بیان ہو، یہ ضروری نہیں۔ اور کبھی لفظ ''بلوغ'' بولا جاتا ہے اور اس سے مراد قریب البلوغ لیا جاتا ہے، جیسے: ''**بلغت المدينة**'' حالانکہ شہر میں ابھی تک نہیں پہونچا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان بھی اسی طرح ہے ''**فقد قضيت ما عليك**'' یعنی آپ اپنی ذمہ داری کے اختتام کے قریب ہوگئے اب مکمل کرنے کے لیے سلام پھیرنا ضروری ہے۔

جمع وترتیب : مولوی محمد اسجد ملپا

سوال : (۱۳) **عن ايوب الأنصاريؓ قال : قال رسول الله ﷺ : إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرقوا او غربوا، قال ايوب : فقدمنا الشام، فوجدنا مراحيض قد بنيت مستقبلة القبلة فننحرف عنها ونستغفر الله.** (سنن ترمذی : ۵/ ۱۳۱)

جواب : استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ کے سلسلے میں ائمہؒ کے مسالک بالدلائل تحریر کیجیے، حضرت ابوایوب انصاریؓ کو شام پہنچنے کے بعد اسکے تحت کیا وقت پیش آئی، اسکی تشرح اور استغفار کا سبب؟

ترجمہ : حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم قضاء حاجت کے لیے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف رخ کرو اور نہ پشت کرو، بلکہ مشرق ومغرب کی طرف رخ کرو۔ حضرت ایوبؓ فرماتے ہیں: ہم شام آئے تو ہم نے بیت الخلاء کو پایا کہ انکی عمارت قبلہ کی طرف تھی، تو ہم اس سے ہٹتے تھے اور اللہ سے استغفار کرتے تھے۔

ائمہؒ کے مذاہب:

(۱) **امام مالکؒ اور امام شافعیؒ** : صحراء میں پیشاب یا پاخانہ کیلیے استقبال قبلہ حرام ہے اور بنیان میں حرام نہیں۔

دلیل : (۱) **''عن ابن عمرؓ قال : رقيت يوما على بيت حفصة فرأيت النبي ﷺ على حاجته مستقبل الشام مستدبر الكعبة.''** (بخاری : ۱۴۸)

(۲) **''عن جابرؓ قال : نهى رسول الله ﷺ ان نستقبل القبلة ببول فرأيته قبل أن يقبض بعام يستقبلها''**۔

امام شافعیؒ نے حضرت ایوب انصاریؓ اور ابن عمرؓ کی حدیث کو جمع کیا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث کو صحراء پر محمول کیا ہے، اور ابن عمرؓ کی حدیث کو بنیان پر محمول کیا ہے۔

احناف کا اشکال :

ممکن ہے کہ ابن عمرؓ آپ کو سرسری طور دیکھا ہوگا، صرف اوپر کا حصہ دیکھا ہوگا، نیچے کی طرف نہیں دیکھا ہوگا۔

جواب : ابن عمرؓ کا یہی عمل رہا ہے، اور وہ آپ ﷺ کی سب سے زیادہ اتباع کرنے والے صحابہ میں سے تھے، آپ ﷺ جہاں پیشاب کیلیے بیٹھتے، ابن عمرؓ بھی وہاں پیشاب کیلیے بیٹھتے، گرچہ پیشاب نہ ہو، اتباع کا اتنا جذبہ ہو، اور آپ ﷺ کے طریقے کے خلاف کرے یہ ممکن نہیں۔

(۲) **حضرت ابوایوب انصاریؓ، ابوثورؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد کی ایک روایت:** استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ نہ صحراء میں جائز ہے اور نہ بنیان میں۔

دلیل : حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت : '' **إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا**'' (بخاری : ۱۴۴)

جواب : اس حدیث میں ایک عام حکم بیان کیا گیا ہے، بنیان اور صحراء کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

(۳) **عروہ بن زبیرؓ، امام مالکؒ کے استاذ ربیعۃ الرائےؒ اور داؤد ظاہریؒ** : استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ صحراء اور بنیان دونوں میں جائز ہے۔

دلیل : ”عن ابن عمرؓ أنه رأى النبی ﷺ مستقبلا بیت المقدس مستدبرا القبلة.“

حضرت عائشہؓ کی روایت” أن النبی ﷺ بلغه أن ناسا یكرھون استقبال القبلة بفروجھم فقال النبی ﷺ أوقد فعلوھا؟حولوا مقعدی إلی القبلة“

(۴) امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت : استقبال قبلہ نہ صحراء میں جائز اور نہ بنیان میں، اور استدبار قبلہ صحراء اور بنیان دونوں میں جائز۔

دلیل : حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت: ”لقد نھانا ان نستقبل القبلة بغائط أو بول أو أن نستنجی بالیمین“

شوافع کی وجہ ترجیح: امام شافعیؒ نے حضرت ایوب انصاریؓ اور ابن عمرؓ کی حدیث کو جمع کیا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث (جو ممانعت پر دلالت کرتی ہے) کو صحراء پر محمول کیا ہے، اور ابن عمرؓ کی حدیث (جو جواز پر دلالت کرتی ہے) کو بنیان پر محمول کیا ہے۔

☆ حضرت ابوایوب انصاریؓ جب شام پہنچے، تو انھوں نے وہاں بیت الخلاء قبلہ رخ بنے پائے، تو ان کو وہاں بہ تکلف گھوم کر بیٹھنا پڑتا تھا، یعنی جہاں تک ہو سکے استقبال قبلہ اور استدبار سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، اور اللہ سبحانہ وتعالی سے استغفار کرتے تھے۔

استغفار کا سبب : (۱) اسوجہ سے کہ انکا مڑ کر بیٹھنے میں مکمل انحراف نہیں ہوتا تھا۔ (۲) یا پھر گناہ کے سبب گناہ یاد آ جاتے ہیں اس لئے استغفار کرتے تھے (۳) یا بنانے والے کیلیے استغفار۔

اعتراض:

اعتراض یہ سوسکتا ہے کہ بنانے والے کافر ہو پھر استغفار؟

جواب : کافر ہونا ضروری نہیں، ہوسکتا ہے کہ بنانے والے بنیان میں استقبال واستدبار کے قائل ہوں۔

(جمع وترتیب : مولوی فیض اقبال بوبیرے)

سوال :(۱۴) عن عبد الرحمٰن بن قال : قیل لسلمان : قد علملكم نبیكم كل شئی حتی الخراء ة ،قال سلمان : أجل،نھاناأن نستقبل القبلة بغائط أو بول ،أو أن نستنجی بالیمین ،أو أن نستنجی أحدنا بأقل من ثلٰثة أحجار ،أو أن نستنجی برجیع أو بعظم.

تثلیث احجار کے سلسلے میں اختلاف ائمہ بالدلائل، نیز ہڈی، گوبر اور کوئلے سے استنجاء کرنے کا حکم کیا ہے؟

جواب : ترجمہ : حضرت سلمان فارسیؓ سے کسی مشرک نے کہا (بطور استہزاء) کہ تمہارے نبی نے تم کو ہر چیز سکھائی، یہاں تک کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی، تو حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا: ہاں، ہمارے نبی ﷺ نے ہم کو منع فرمایا کہ ہم پیشاب پاخانہ کے لیے قبلے کی طرف رخ کرے، یا ہم دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے، یا یہ کہ ہم میں سے کوئی تین ڈھیلوں سے کم سے استنجاء کرے، یا ہم لید اور ہڈی سے استنجاء کرے۔

ائمہ کے مذاہب: استنجاء میں تثلیث واجب ہے یا مستحب؟

(۱) امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک صرف انقاء واجب ہے، اگر دو (۲) پتھر سے ہی نجاست دور ہو جائے تو کافی ہے، تین کا عدد پورا کرنا ضروری نہیں، البتہ تثلیث مسنون ہے۔

دلیل : (۱) عن ابی ہریرةؓ عن النبی ﷺ : من استجمر فلیوتر ، من فعل فقد احسن،ومن لافلاحرج.(ابوداؤد : ۳۵)

یعنی جو شخص ڈھیلے سے استنجاء کرے، تو طاق عدد (۳) سے کرے، جس نے یہ کیا تو اس نے اچھا کیا، اور جس نے نہیں کیا، تو حرج نہیں۔

(۲) عن عبد اللہؓ قال : أمرنی أن اتیه بثلاثة احجار ،فوجدت حجرین و التمست الثالث فلم أجد ،فأخذت روثة فأتیته بھا فأخذ الحجرین وألقی الروثة وقال ھذا ركس.

حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے پاس تین پتھر لاؤ، تو میں نے دو پتھر پائے اور میں نے تیسرا پتھر تلاش کیا لیکن میں نے نہیں پایا، تو میں نے ایک لید لیا، اور اسکو لیکر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، تو آپ ﷺ سے دو پتھروں کو لیا، اور لید پھینک دی، اور فرمایا: یہ نجس ہے۔

وجہ استدلال : آپ ﷺ نے صرف دو کو لیا اور لید کو پھینک دیا اگر تین واجب ہوتے تو تیسرے کا حکم دیتے۔

(۲) امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے نزدیک انقاء وتثلیث دونوں واجب ہے، اگر تین ڈھیلوں سے کم سے انقاء (صفائی) حاصل ہو، تب بھی تین کا عدد مکمل کرنا

ضروری ہے۔

دلیل : (۱) **عن عبد الرحمٰن بن يزيد قال : قيل لسلمان : قد علمكم نبيكم كل شيئى......الخ** (مذکورہ حدیث)

(۲) حضرت عائشہؓ کی حدیث: **أن النبى ﷺ قال إذا ذهب أحدكم الغائط فليذهب معه بثلاثة أحجار** . (ابوداؤد)

اس حدیث میں ''فلیذھب'' امر کا صیغہ ہے، جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

تطبیق : اب ماں عائشہؓ کی اس حدیث اور'' **ومن لا فلا حرج** ''میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، تو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرماتے ہیں: کہ دونوں میں اس طرح تطبیق ہوگی کہ تین والی روایت کو وجوب پر محمول کریں گے کہ تین سے کم ڈھیلے سے استنجاء کرنا جائز نہیں،، اور اگر تین سے استنجاء نہ ہو تو تین (۳) سے زیادہ ڈھیلے استعمال کرے اور جب تین (۳) سے زیادہ استعمال کرے تو پھر ایتار واجب نہیں، بلکہ ایتار کرے تو بہتر اور مستحب ہے اور نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔

اور عبداللہ بن مسعودؓ کی دو (۲) والی حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہی حدیث مسند احمد، بیہقی، اور دار قطنی میں **عبد الرزاق بن معمر عن ابى اسحاق عن علقمة عن عبد الله** کے طریق سے آتی ہے، جس میں ''**فإنها ركس** '' کے الفاظ ہے اور اس کے بعد ''**ائتنى بحجر** '' کا ارشاد موجود ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دو پتھروں پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ تیسرے کا حکم دیا۔(فتح الباری : ۱/۳۰۸ ط: دار الریان)

ہڈی، لید اور کوئلے سے استنجاء کرنا منع ہے۔

(جمع وترتیب :مولوی عبدالباسط کلدانے)

السوال :(۱۵) **عن أبى هريرةؓ قال : أن رسول الله ﷺ قال : إذا شرب الكلب فى إناء احدكم فليغسله سبعا**

ترجمہ، ولوغ کلب کے احکام مفصل ومدلل مع بیان المذاھب، سور کلب، ولوغ کلب سے تطہیر کے متعلق، تتریب کا حکم ومحل تتریب کو ائمہ کرام کے مذاہب مع الدلائل تحریر کیجیے، نیز ولوغ خنزیر کا حکم کیا ہے؟

جواب : ترجمہ : جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈالے تو اسکو چاہیے کہ برتن کو سات مرتبہ دھوئے۔

☆ ایک روایت میں ''**إذا شرب** '' کے بجائے ''**إذا ولغ** '' آیا ہے۔

☆ **وَلَغَ** :۔ باب فتح یفتح سے ہے، یہ اسوقت کہا جاتا ہے جبکہ کتا زبان کے کنارے سے پانی پیے یا اپنی زبان کو پانی میں داخل کرے پھر اسکو حرکت دے ۔

ابتداءً سور کلب کے نجس وعدم نجس ہونے کے بارے میں اختلاف ہے :

(۱) مالکیہ : سور کلب پاک ہے، اس سے برتن نجس نہیں ہوتا، اس لیے کہ انکے نزدیک تمام سباع کا جھوٹا پاک ہے اور کتا بھی سباع میں سے ہے، لہذا اسکا بھی جھوٹا پاک ہوگا۔

(۱) دلیل : **هو الذى خلق لكم ما فى الارض جميعا .**

وجہ استدلال : امام مالکؒ فرماتے ہیں : کہ ''**لكم** '' میں لام انتفاع کے لیے ہے اور انتفاع اسی وقت ہوگا جبکہ اسکا جھوٹا بھی پاک ہو، لہذا تمام سباع کا جھوٹا پاک ہوگا۔ معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے تو اسکے برتن میں منہ ڈالنے کی وجہ سے نہ پانی ناپاک ہوگا، اور نہ برتن، اب یہ سات مرتبہ دھونے کا حکم تعبدی ہے۔

(۲) **إذاشرب الكلب فى إناء احدكم فليغسله سبعا.**

حدیث مبارکہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو برتن کے نجس ہونے پر دلالت کرے، لہذا یہ دھونا نجس کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ حکم تعبدی ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثہؒ : سور کلب ناپاک ہے، اس سے برتن نجس ہوگا۔

دلیل : **طهور إناء احدكم** (مسلم : ۲۷۹)

یہ روایت نجس ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ لفظ ''**طهور** '' کا استعمال حدث یا خبث کی وجہ سے ہوتا ہے، اور برتن کو حدث لاحق نہیں ہوتا، لہذا برتن پر خبث متعین ہوگیا۔

مالکیہ کا جواب : لفظ ''**طهور** '' رفع حدث یا رفع خبث کیلیے ہی متعین نہیں، بلکہ طہارت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، مثلا: **السواک مطهرة للفم.**

شوافع کا جواب : جب الفاظ شرع کا اطلاق لغوی اور شرعی دونوں معنوں پر ہوتا ہے، تو اسکو شرعی معنی پر محمول کیا جاتا ہے، جبکہ لغوی معنی پر محمول کرنے کے لیے کوئی قرینہ موجود نہ ہو، اور یہاں پر اسکو لغوی معنی پر محمول کرنے کے لیے کوئی دلیل یعنی قرینہ موجود نہیں ہے، اور "السواک مطهرة للفم" میں قرینہ پایا جانے کی وجہ سے اسے لغوی معنی پر محمول کریں گے۔

دوسرا اختلاف برتن کے پاک کرنے کے طریقے میں ہے :

(۱) امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ، اور اسحاقؒ : تسبیع وتتریب دونوں واجب ہیں۔

دلیل : **يغسل الاناء اذا ولغ فيه الكلب سبع مرات : اولاهن أو اخراهن بالتراب** .(ترمذی : ۹۱)

(۲) احنافؒ : تثلیث واجب ہے۔

دلیل : (۱) حضرت ابوھریرہؓ کی روایت تسبیع کی ہے اور فتوی تین کا ہے، لہذا راوی کا فتوی حدیث کے خلاف ہے تو جب راوی کو فتوی حدیث کے خلاف ہو تو راوی کے فتوی کو ترجیح دی جاتی ہے، اور حدیث کو منسوخ مانا جاتا ہے۔

جواب : حضرت ابوھریرہؓ سے سات والی روایت کے بعد تین کا فتوی ہے اور دوسرا فتوی سات کا بھی ہے، جو حدیث مرفوع کے موافق ہے، لہذا اسی کو ترجیح دیں گے ، اور اختلاف والی صورت کو چھوڑ دیں گے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابوھریرہؓ نے تسبیع کے ندب کا اعتقاد کر کے تثلیث کے وجوب کا فتوی دیا ہو یا ان سے اپنی روایت کا ذہول ہو گیا ہو، لہذا اس سے نسخ ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ احتمال پیدا ہو گیا ہے اور احتمال کی وجہ سے نسخ نہیں ہوتا۔

(۲) کتے کا پیشاب پاخانہ اسکے سؤر سے بھی بہت زیادہ سخت ہے، لیکن جب یہاں تسبیع کا حکم نہیں دیا گیا تو ولوغ کلب میں بدرجہ اولی نہیں ہونا چاہیے۔

جواب : کتے کے پاخانہ کا نجاست میں سخت ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا، کہ اسکا حکم بھی سخت ہو، لہذا یہ ایسا قیاس ہے جو نص کے مقابلے میں ہے اور یہ فاسد ہے ، جیسے کہ یہ جواب خود حنفیہ نے ایک مسئلہ میں دیا ہے، (کہ عندالاحناف قہقہ فی الصلوۃ سے وضوٹوٹ جائے گا، تو سباب مسلم تو اس سے بھی زیادہ اشد ہے، لیکن اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا) معلوم ہوا کہ کسی چیز کے نجاست میں اشد ہونے کی وجہ سے حکم بھی سخت نہیں ہوگا۔

(۳) تسبیع کا حکم اس وقت ہے، جبکہ کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا، پھر جب انکو مارنے سے روکا گیا، تو یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

جواب : کتوں کو قتل کرنے کا حکم ہجرت کی ابتداء میں تھا اور غسل کا حکم تو بہت ہی مؤخر ہے، اس لیے کہ یہ حکم حضرت ابوھریرہؓ اور عبداللہ بن مغفل کی روایت سے ثابت ہے، اور عبداللہ بن مغفل نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو غسل کا حکم دیتے ہوئے سنا، درآنحالیکہ وہ حضرت ابوھریرہؓ کی طرح ۷ھ میں اسلام لائے۔

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں ایک روایت نقل کی ہے۔

قال النبی ﷺ أمر بقتل الكلاب ثم قال مالي ولكلاب ثم قال اذا ولغ الكلب فليغسله سبع مرات .

یہ روایت صراحتا دلالت کرتی ہے کہ قتل کلاب کے نسخ کے بعد تسبیع کا حکم دیا گیا۔

ولوغ خنزیر کا حکم : **اسوأ حالامن الكلب**

(جمع وترتیب :مولوی فیض اقبال بوبیرے)

سوال :(۱۶) (۱) **من حدثكم أن رسول الله ﷺ بال قائما ،فلاتصدقوه،ماكان يبول إلاجالسا.**

(۲) **أن النبی ﷺأتی سباطة قوم فبال قائما.**

ترجمہ، دونوں روایتوں کے درمیان تعارض دور کیجیے، قائماً بول کے سلسلے میں اختلاف ائمہ، نیز قائماً بول کے اسباب بتلائیے۔

جواب :ترجمہ: (۱) جس نے تم کو یہ بتلایا کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے تو تم اس کی بات مت مانو، نبی کریم ﷺ بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے۔

(۲) نبی کریم ﷺ قوم کے کورا کرکٹ کے پاس آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔

رفع تعارض :

ماں عائشہؓ کی حدیث میں صاف اشارہ ہے کہ وہ حضرت حذیفہؓ کی حدیث پر تنقید کر رہی ہے، مگر حضرت حذیفہؓ کی روایت اعلی درجے کی صحیح ہے، اسلیے علماء نے حضرت عائشہؓ کی روایت کو عادت پر محمول کیا ہے، یعنی آپ ﷺ کی عادت کھڑے ہوکر پیشاب کرنی کی نہیں تھی۔ اور حضرت حذیفہؓ کی روایت کو اتفاقی واقعہ قرار دیا ہے۔ نیز حافظ ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ ماں عائشہؓ اپنے علم کے مطابق گھر میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی نفی کر رہی ہیں۔ اور رہی بات خارج بیت کی تو حضرت عائشہؓ اس پر مطلع نہیں اور اسکو حضرت حذیفہؓ نے محفوظ کیا جو کبار صحابہؓ میں سے ہے۔

مذاہب ائمہ :

(۱) امام احمدؒ : مطلقا جائز ہے۔

(۲) امام مالکؒ : اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ چھینٹے اڑنے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ مکروہ۔

دلیل : ''أن النبی ﷺ أتی سباطة قوم فبال قائما''

(۳) شوافع واحناف: ان کا مسلک یہ ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مطلقا مکروہ ہے، مگر شدید عذر کی وجہ سے جائز ہے۔

دلیل : ''من حدثکم أن رسول اللہ ﷺ بال قائما ،فلاتصدقوه،ما کان یبول إلاجالسا''

وجہ ترجیح :

شوافع واحناف، امام احمدؒ و مالکؒ کی حدیث کو عذر پر محمول کرتے ہیں۔

قائماً بول ے اسباب :

(۱) آپ ﷺ نے ایسی جگہ نہیں پائی جسمیں بیٹھ کر پیشاب کی جائے۔

(۲) آنحضرت ﷺ کے سامنے جو کوڑادان تھا، وہ بلند جگہ تھا، اور پیچھے والا حصہ نچلا تھا، اگر کوڑے دان کی طرف رخ کر کے بیٹھ کر پیشاب کرتے تو، پیشاب آپ ﷺ کے بدن اطہر پر آتا، اور اگر پیچھے والا حصہ جو نچلا تھا، اسکی طرف رخ کرتے تو آپ ﷺ کا ستر ظاہر ہوتا۔

(۳) آپ ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب اس لیے کیا، کیونکہ ایسی حالت میں آواز کے ساتھ ریح خارج نہیں ہوتی، اور اس لیے کیا کہ اس کے ارد گرد گھر تھے۔

(۴) عرب حضرات پیٹھ کے درد سے شفاء حاصل کرنے کیلیے کھڑے ہوکر پیشاب کیا کرتے تھے، ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے پیٹھ کے درد کی وجہ سے کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہو۔ (تحفۃ الاحوذی :۱/۶۷)

(۵) راجح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بیان جواز کے لیے کیا اور آپ ﷺ اکثر احوال میں بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔

سوال :(۱۷) **فدعا بماء فرشه علیه ینضح بول الغلام ویغتسل بول الجاریة**

ترجمہ، عندالائمہ بچہ کے پیشاب سے پاکی کا طریقہ مع الادلہ، نیز نضح اور غسل کی تفریق کا سبب اور یہ فرق کب تک باقی رہے گا، اور آپ ﷺ کے گود میں کن بچوں نے پیشاب کیا ہے؟

جواب : ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس پیشاب پر چھڑکا، بچہ کے پیشاب پر چھڑکاو کیا جائے گا اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔

☆

امام اوزاعیؒ : دونوں میں نضح کافی ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک : بول صبی میں غسل ضروری نہیں، بس پانی کا چھڑکاو کافی ہے اور بچی کے پیشاب کا غسل ضروری ہے، یعنی دھونا ضروری ہے۔

دلائل : (۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کی رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا تو اس نے آپ ﷺ پر پیشاب کیا تو آپ ﷺ نے اس پر پانی چھڑکا۔ اور ایک بچی کو لایا گیا اور اس نے آپ پر پیشاب کیا تو آپ ﷺ نے اسکو دھویا۔

(۲) مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ''فدعا بماء فأتبعه إیاه ،زاد مسلم : ولم یغسله''

(۳) اسی طرح حضرت حسینؓ کے پیشاب کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: دھونا تو لڑکی کے پیشاب کے لیے ہے اور لڑکے کے لیے نضح ہے۔

(۴) اسی طرح ام قیس بنت محصن کی روایت میں ''فنضحه و لم يغسله'' کے الفاظ وارد ہیں۔

(۵) لڑکی کی طبیعت نرم ہوتی ہے لہذا پیشاب میں چکناہٹ ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک : دونوں غسل ضروری ہے، البتہ لڑکے کے پیشاب میں زیادہ مبالغے کی ضرورت نہیں۔

دلیل : **أتي رسول الله ﷺ بصبي فبال عليه فدعا بماء فاتبعه اياه.**

آپ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا تو اس نے آپ ﷺ پر پیشاب کیا، تو آپ ﷺ نے پانی ڈالا......یہ غسل کے لیے صریح دلیل ہے۔

نضح اور غسل کے تفریق کے اسباب :

(۱) دونوں کا فرج الگ الگ ہے، لڑکی کا پیشاب پھیلے گا جبکہ لڑکے کا ایک ہی جگہ رہے گا۔

(۲) دونوں کے مزاج میں فرق ہے، لڑکی کا زیادہ بدبودار ہوتا ہے، برخلاف لڑکے کے۔

(۳) لوگ عموماً لڑکے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں، برخلاف لڑکی کے۔

اور یہ فرق اس وقت تک رہے گا جب تک دونوں کھانا نہ کھاتے ہو، جب دونوں کھانا کھانا شروع کرلے تو یہ فرق باقی نہیں رہے گا (دو سال تک جبکہ دودھ کے علاوہ کوئی غذا نہ کھاتا ہو)

جن بچوں نے آپ ﷺ کے گود میں پیشاب کیا :

(۱) حضرت حسین (۲) حضرت ابن زبیر (۳) سلیمان بن ہشام (۴) ابن ام قیس

(جمع وترتیب : مولوی ثاقب کوارے)

سوال : (۱۸) انما الماء من الماء (ترجمہ، وضاحت، اور ابن عباسؓ کی توجیہ)

جواب : ترجمہ : پانی پانی سے (یعنی منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے)

''انما الماء من الماء''، میں پہلے ''ماء'' سے غسل مراد ہے اور دوسرے ''ماء'' سے منی مراد ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے ''انما الماء من الماء'' کے بارے میں صراحت فرمائی کہ اول اسلام میں یہ رخصت تھی کہ مرد وعورت کے فقط ملنے سے غسل واجب نہیں ہوتا تھا، بلکہ آپسی ملاقات سے جب منی نکلتی، تب غسل واجب ہوتا، شریعت نے نطفہ پر بنیاد رکھی ہے کہ جب غیبوبت حشفہ ہوگا تو انزال ہونے کا مظنہ وگمان ہے اور معمولی ہونے پر پتہ بھی نہیں چلے گا لیکن اس حکم کو ''إذاالتقى الختانان'' کے ذریعے منسوخ کردیا گیا کہ جب ختانان مل جائے تو غسل واجب ہوتا ہے، انزال ہو یا نہ ہو، اور ''إذاالتقى الختانان'' والی حدیث یہ راجح ہے ''انما الماء من الماء'' سے، کیونکہ ''انما الماء من الماء'' یہ مفہوم ہے جبکہ ''إذاالتقى الختانان'' یہ منطوق ہے اور صریح ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کے زمانے میں اس مسئلے میں اختلاف تھا لیکن پھر تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہوا کہ ختانان کے ملنے کی وجہ سے ہی غسل واجب ہوگا اور اس وقت جمہور امت کا (ختانان کے ملنے کی وجہ سے چاہے انزال ہو یا نہ ہو) وجوب غسل پر اجماع ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی توجیہ:۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ''إنما الماء من الماء'' کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ اس پر بھی عمل ہوگا، اور توجیہ یہ ہوگی کہ ''إنما الماء من الماء'' یہ خواب کے بارے میں ہے کہ اگر کوئی خواب میں جماع کی کیفیت دیکھے تو بیدار ہونے کے بعد جب تک منی نہ دیکھے غسل واجب نہیں ہوگا۔

سوال : (۱۹) عن عائشةؓ أنها غسلت منيا من ثوب رسول الله ﷺ .

ترجمہ، منی پاک ہے یا نجس؟ مع دلائل اختلاف ائمہ کو بیان کیجیے، نیز ناقض وضو ہے یا نہیں؟

جواب : ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو دھوتی تھی۔

منی پاک ہے یا ناپاک؟ اس سلسلے میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں

(۱) امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منی ناپاک ہے، لیکن پاکی میں تھوڑا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر منی خشک ہوجائے تو کھرچنا کافی ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک خشک ہو یا تر دونوں حالتوں میں دھونا ضروری ہے۔

دلیل : عن عائشةؓ أنها غسلت منيا من ثوب رسول الله ﷺ

(۲) امام شافعی اور امام احمد کی اصح روایت منی پاک ہے۔

دلیل : عن هشام بن الحارث قال : ضاف عائشةؓ ضيف فأمرت له بملحقه صفراء فنام فاحتلم فاستحيا ان يرسل بها اليها وبها اثر الاحتلام فغمسها في الماء ثم ارسل بها ،فقالت عائشة لما أفسد علينا ثوبنا ؟ انما كان يكفك ان يفركه باصبعه وربما فركته من ثوب رسول الله ﷺ .

وجہ استدلال:

حدیث غسل اور حدیث فرک میں کوئی تعارض نہیں ہے اسلیے کہ منی کی طہارت کے قول پر تطبیق واضح ہے

شوافع کی تطبیق:

غسل کو استحباب پر محمول کریں گے، اور یہ غسل کا جو حکم ہے وہ تنظیف کے لیے وجوبی طور پر نہیں ہے۔

احناف کی تطبیق:

دھونے کا حکم اسوقت ہے جبکہ منی رطب ہوا گر خشک ہو تو فرک کریں گے۔

حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں:

(۱) کہ پہلی ہی تطبیق زیادہ راجح ہے اس لیے کے اس میں حدیث اور قیاس دونوں پر ایک ساتھ عمل ہو رہا ہے۔

(۲) اگر منی ناپاک ہوتی تو اسکو ہر صورت میں دھونا واجب ہوتا اور فرک پر اکتفاء کرنا کافی نہ ہوتا جیسے کہ خون اور اسکے علاوہ نجاستیں، خون کے بارے میں تو آپ اس طرح کی بات نہیں کہتے کہ اگر رطب ہو تو دھوئے گے اور خشک تو کھرچیں گے حالانکہ وہ بھی نجس ہے معلوم ہوا کے منی پاک ہے اگر منی ناپاک ہوتی تو کھرچنا کافی نہ ہوتا بلکہ دھونا واجب ہوتا۔ رہی بات امام مالکؒ کی تو فرک کی تمام احادیث ان کے خلاف حجت ہے

بعض حضرات نے کہا کہ یہ منی جسکے کھرچنے کے بارے میں بات کہی جارہی ہے وہ تو نبی پاک ﷺ کی منی ہے اور اپ ﷺ کی منی تو پاک ہے جس طرح اپ کے فضلات پاک ہوتے ہیں؟

جواب: ھشام بن حارث نے جو حضرت عائشہؓ سے حدیث نقل کی ہے اس میں تو صاف اس بات کی صراحت موجود ہے کے منی کے طھارت یہ نبی ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اگر ہوتی حضرت عائشہؓ مہمان کو اس طرح نہ ڈانٹتی اور کھرچنے کے بارے میں بات نہ کہتی نیز آپ ﷺ کی جو منی کھرچنے لگی تھی وہ جماع کی وجہ سے تھی اور اسمیں عورت کی منی بھی آپ ﷺ کی منی کے ساتھ ملی ہوئی تھی اگر عورت کی منی نجس ہوتی تو اسمیں فرک کافی نہ ہوتا۔

(جمع وترتیب : مولوی عبدالباسط کلدانے)

سوال :(۲۰) عن عائشةؓ أن بنت أبي حبيش سألت النبي ﷺ قالت : إني استحاض فلا اطهر افأدع الصلاة ؟ فقال : لا إن ذلك عرق ،ولكن دعی الصلاة قدر الايام التي كنت تحيضين فيها،ثم اغتسلي وصلي.

ترجمہ، اقل حیض اور اقل طہر میں علماء کا اختلاف نقل کیجیے۔

جواب : ترجمہ : فاطمہ بنت ابی حبیشؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: مجھکو استحاضہ رہتا ہے میں پاک نہیں ہوتی، کیا میں نماز کو چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، یہ ایک رگ کا خون ہے لیکن جتنے دنوں تک تم کو خون آتا تھا اتنے دنوں تک نماز چھوڑ دو پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔

اقل حیض اور اقل طہر میں علماء کا اختلاف ہے :

امام ابوحنیفہؒ :۔ اقل حیض تین (۳) دن اور تین (۳) راتیں ہیں، اور اکثر حیض دس (۱۰) دن ہیں۔

شوافع اور امام احمد :۔ اقل حیض ایک (۱) دن اور ایک (۱) رات اور اکثر حیض پندرہ (۱۵) دن اور راتیں ہیں یا سترہ (۱۷) دن ہیں۔

امام مالکؒ :۔ حیض کی اقل مقدار کیلیے کوئی حد نہیں ہے اور اکثر مدت سترہ (۱۷) دن یا اٹھارہ (۱۸) دن ہیں۔

اقل طہر میں علماء کا اختلاف :

امام احمدؒ :- طہر کی اقل مقدار تیرہ (۱۳) دن ہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ :- پندرہ (۱۵) دن ہیں۔ (الأبواب والتراجم : ۱/۶۵۷)

امام ابوحنیفہؒ : اقل حیض اقل طہر ایک ساتھ جمع نہیں ہوں گے (یعنی امام صاحب فرماتے ہیں: کہ یہ اصول اور قاعدے کے خلاف ہے کہ حیض کا اقل بھی لیا جائے اور طہر کا بھی اقل لیا جائے، کیونکہ عادتاً ایسا نہیں ہوتا بلکہ تجربہ یہ ہے کہ جب حیض کم ہوتا ہے تو طہر زیادہ ہوتا ہے اور جب طہر کم ہوتا ہے تو حیض زیادہ ہوتا ہے، لہذا طہر کا تو اقل لیا جائے گا کیونکہ اکثر طہر کی کوئی حد نہیں، اور حیض کا اکثر لیا جائے گا)

اقل مدت ساٹھ (۶۰) دن اور ایک لحظے میں عورت کی عدت پوری ہوگی۔

صاحبین من الحنفیہ : انتالیس (۳۹) دن میں عدت پوری ہوگی۔

شوافع : کم از کم بتیس (۳۲) دن اور دو (۲) لحظے میں عدت پوری ہوگی۔

امام مالکؒ : تیس (۳۰) دن اور چار (۴) لحظہ

امام احمدؒ : انتیس (۲۹) دن اور ایک لحظہ

امام احمد کا مرجوح قول: اٹھائیس (۲۸) دن اور دو (۲) لحظہ

ائمہ کرام	عورت کی پوری مدت	الطہر الذی طلق فیہ	الحیض الاول	الطہر الثانی	الحیض الثانی	الطہر الثالث	الحیض الثالث
عند مالک	۳۰ دن ۴ لحظہ	لحظہ	لحظہ	۱۵ دن	لحظہ	۱۵ دن	لحظہ
عند احمد قول راجح	۲۹ دن ۱ لحظہ	....	ایک دن	۱۳ دن	ایک دن	۱۳ دن	ایک دن
عند احمد قول مرجوح	۲۸ دن ۲ لحظہ	......	ایک دن	۱۳ دن	ایک دن	۱۳ دن	لحظہ
عند صاحبین	۳۹ دن	......	۳ دن	۱۵ دن	۳ دن	۱۵ دن	۳ دن
عند ابی حنیفہ	۶۰ دن ۱ لحظہ	.....	۱۰ دن	۱۵ دن	۱۰ دن	۱۵ دن	۱۰ دن
عند الشافعی	۳۲ دن ۲ لحظہ	......	ا دن	۱۵ دن	ا دن	۱۵ دن	لحظہ

(جمع وترتیب : مولوی سیف اللہ پورکر)

سوال : (۲۱) من مس ذکرہ فلا یصلی حتی یتوضأ.

ترجمہ، مسئلہ مذکورہ کو مفصل ومدلل مع اختلافِ ائمہ بیان کیجیے۔

جواب: جو اپنے ذکر کو چھوئے تو وہ نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ وہ وضو کرلے۔

مس ذکر موجب وضو ہے یا نہیں؟

(۱) نقض کے قائلین : ائمہ ثلاثہؒ نقض کے قائل ہیں۔

دلائل: (۱) حضرت بسرہؓ کی حدیث : **إن النبی ﷺ قال : من مس ذکرہ فلایصل حتی یتوضأ**

(۲) **عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مس احدکم ذکرہ فلیتوضا**

(۳) **عن عائشةؓ : ویل للذین یمسون ذکورھم ویصلون ولایتوضؤن ،قالت عائشة : ھذا للرجال فما بال النساء قال علیه الصلوۃ والسلام: إذامست إحداکن فرجھاتوضأت.**

(۲) عدم نقض کے قائلین : امام ابوحنیفہؒ، اہل کوفہ اور ابن مبارک۔

دلائل: (۱) حضرت طلق بن علی کی حدیث: **وھل ھو إلا بضعة منه.**

(۲) **عن ابن مسعودؓ : ماابالی ذکری مسست فی الوضوء فی الصلوٰۃ أو أذنی أو انفی .**

(۳)عن ابن عباسؓ : ماأبالی ایاہ مسستہ أو انفی .

(۴)عن عمارؓ : انما ھو بضعۃ منک مثل انفی أو انفک

احناف کے اعتراضات اور اسکے جوابات :

(۱) بعض نے حدیث بسرہ پر طعن کیا ہے۔

جواب: لیکن حافظ صاحب نے تردید کی ہے، کہ امام احمد نے اسکو "بل ھو صحیح" کہا ہے۔ امام دارقطنی نے "صحیح ثابت" کہا ہے۔

(۲) طلق بن علی کی روایت مرد کی ہے اور بسرہ عورت ہے۔ لہذا مرد کو ترجیح دیں گے، کیونکہ دو(۲) عورتوں کے مقابل ایک مرد کی شہادت قابل قبول ہوتی ہے اور مرد احفظ العلم اور اضبط ہوتا ہے۔

جواب: یہ ایسا اعتراض ہے جو فن حدیث سے متعلق شخص کی زبان پر نہیں آسکتا، کیونکہ صدیقہؓ کی روایات منقول ہیں اور اعتراض کرنے والے خود ان سے استدلال کرتے ہیں، اور اسکو ترجیح دیتے ہیں۔

(۳) مروان متہم راوی ہے۔

جواب : مروان کی دو حالتیں ہیں: سیاست سے قبل اور بعد میں، قبل کی روایات قابل قبول ہیں، اور یہ روایت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ خروج کرنے سے پہلے کی ہے۔

(۴) اگر صحیح ہے تو امام بخاریؒ نے اسکو اپنے صحیح میں ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب : (۱) بعض حضرات کا اس میں اختلاف ہے، اس لیے اختلاف سے بچنے کے لیے ذکر نہیں کیا۔

(۲) امام بخاریؒ نے تمام احادیث صحیحہ کا استیعاب نہیں کیا۔

اور اگر بالفرض حدیث بسرہؓ ضعیف بھی ہوتی تو بھی دوسری روایات کی تائیدات کی وجہ سے قابل استدلال ہوجائیگی۔

(۵) طلق بن علی کی روایت زیادہ اثبت ہے۔

جواب : حدیث بسرہؓ کی صحت و ترجیح کیلیے اتنا کافی ہے کہ اسکے ہر راوی شیخین کے راوی ہیں۔

(۶) حدیث بسرہ منسوخ ہے۔

جواب : یہ بات سرے سے غلط ہے، یہ دعوی بلا دلیل ہے۔

امام حازمیؒ نے اپنی کتاب "کتاب الاغیاز" میں اسکی وضاحت فرمائی ہے، کہ طلق بن علی کی روایت اول اسلام کی ہے، جسوقت مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی، اور حدیثِ بسرہ آخر کی ہے۔ لہذا حدیث طلق ہی منسوخ ہوگی اور دوسری بار ملاقات کے لیے دلیل چاہیے، اور دوسری بات کہ خود حضرت طلق سے بھی نقض کی روایت موجود ہے۔

(۷) "إذا تعارضا تساقطا"۔ اور اصل عدم نقض ہے۔

جواب : تعارض بھی نہیں، بلکہ حدیث بسرہ اصح ہے لہذا ترجیح دیں گے۔

(۸) وضو لغوی مراد ہے۔

جواب: ابن عمرؓ سے دارقطنی میں روایت ہے۔"فلیتوضأ وضوءہ للصلاۃ" (دارقطنی : ۵۳۱)

حدیث طلق پر اعتراضات:

(۱) حدیث طلق منسوخ ہے، مقدم ہونے کی وجہ سے۔

(۲) وہ حدیث ضعیف ہے۔

(۳) حضرت طلق کی حدیث پہلے کی ہے، لہذا تعارض ہوگیا، تو حدیث بسرہ کو ترجیح دیں گے۔

لیکن احناف کا کہنا ہیں کہ حضرت ۹ ھ میں بھی تشریف لائے تھے تو اسوقت سنی ہوگی، لیکن اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت طلق سے اسی لیے نقض وضو کی روایت ہے۔

اور جو یہ کہا گیا کہ شرمگاہ بھی جسم کا ایک ٹکڑا ہے، لہذا اسکو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹنا چاہیے، جس طرح دوسرے اعضاء کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

ج : لیکن اسکورد کیا گیا کہ اگر شرمگاہ اور دوسرے اعضاء میں کوئی فرق نہ ہوتا تو آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے چھونے کو منع نہیں کرتے، پھر امام شافعیؒ نے ہاتھ کے باطن سے چھونے کی قید لگائی، حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث کی وجہ سے جس میں "من افضی بیده" کے الفاظ موجود ہیں، اور "من افضی بیده" کے معنی ہاتھ کے باطن سے چھونا مراد لیا ہے، اور امام شافعیؒ خود عربی اللغہ ہے اور انکا مشغلہ بھی یہی تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

(جمع وترتیب : مولوی عبدالباسط کلدانے)

سوال : (۲۲) الوضوء من مس المرأة (اختلاف ائمہ مع الادلہ)

جواب :

نقض کے قائلین:

(۱) ائمہ ثلاثہؒ، امام اوزاعی، امام اسحاقؒ۔ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تھوڑا سا اختلاف ہے کہ ان کے یہاں شہوت ہو تو ہی ٹوٹے گی ورنہ نہیں۔

دلیل : آیت قرآنی "أو لٰمستم النساء" اسکا ظاہری مفہوم چھونا ہے اور ابن عمرؓ اور شوافع کے نزدیک لمس ہی مراد ہے۔

وجہ استدلال : لمستم سے یہاں چھون امراد ہے نہ کہ جماع، شوافع یہاں لمس بالید کا معنی مراد لیتے ہیں، اور یہی زیادہ بہتر ہے اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ لمس کا اطلاق حقیقت میں ہاتھ سے چھونے پر ہوتا ہے اور لمس سے جماع مراد لینا یہ مجاز ہے اور حقیقت سے مجاز کی طرف عدول کرنے کے لیے مضبوط دلیل لانا پڑیں گی، اور جب حقیقی معنی مراد لینا بہتر ہو تو وہاں پر وہی معنی مراد لئے جائیں گے، اس کی تائید "فلمسوہ بایدیھم" سے ہوتی ہے لیکن یہاں پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ لمس کا لفظ جب رجل کے ساتھ آتا ہے تو لمس بالید کے معنی مراد لیے جاتے ہیں اور جب مرأۃ کے ساتھ آئے تو لمس بالجماع مراد لیا جاتا ہے؟ اب اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ماعز اسلمیؓ سے فرمایا 'لعلک لمست' شاید کہ تم نے چھویا ہوگا جسے تم جماع سمجھ رہے ہو تو یہاں پر حضرت ماعز اسلمی نے عورت کو چھویا ہے تو آپ ﷺ نے انہیں یہ بات ارشاد فرمائی تھی، تو اب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لمس مرأۃ کے ساتھ آئے تو لمس بالید کے معنی بھی مراد ہوتے ہیں۔

نیز لمستم کی ایک قرات لمستم بھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لمس بالید مراد لینا بہتر ہے نیز لمستم کا عطف او جاء احدکم پر ہو رہا ہے اور اس کے بعد دونوں کے لیے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کا حکم دیا جا رہا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لمس مرأۃ ناقض وضو ہے۔

شوافع کے اس اجتہاد کی تائید صحابہ کے آثار سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ اور ابن مسعود جماع کے بجائے لمس بالید کے معنی مراد لیتے ہیں۔

عدم نقض کے قائلین:

(۲) امام ابوحنیفہ خصوصا اہل کوفہ مطلقا عدم نقض کے قائل ہیں۔

دلائل : (۱) آیت قرآنی "أو لٰمستم النساء" ابن عباسؓ نے اس کے کنائی معنی جماع مراد لیا ہے، اور عندالاحناف بھی جماع ہی مراد ہے۔

(۲) **قبّل النبی ﷺ بعض نسائه ثم خرج الی الصلاة ولم یتوضأ.**

جواب : حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث سند کے اعتبار سے متکلم فیہ ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب محدثین کے نزدیک یہ حدیث کسی حالت میں صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عروہ کا حضرت عائشہؓ سے سماع ثابت نہیں ہے، نیز محمد بن اسماعیل امام بخاریؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حبیب کا عروہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ دوسری روایت جو ابراہیم تیمی عن عائشہ منقول ہے اس میں بھی ابراہیم کا حضرت عائشہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

(۳) وہ حدیث جس میں نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے وقت حضرت عائشہؓ سامنے لیٹی رہتیں جب آپ ﷺ سجدے میں جاتے تو انکو ہاتھ لگاتے تو وہ اپنا پیر سمیٹ لیتیں۔

جواب : نبی کریم ﷺ حضرت عائشہؓ کے سونے کے صورت جو ہاتھ لگاتے تھے وہ حیلولت کے ساتھ ہوتا تھا اسی بناء پر یہاں پر وضو کا حکم ظاہر نہیں ہوا جس کی تائید دوسری روایت مبارکہ سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ نبی کریم ﷺ حجرہ میں نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے لیٹی ہوئی ہوتی تھی تو جب آپ سجدہ کرتے تو میں چادر سے نکل جاتی۔

از : طلبۂ دورۂ حدیث
۱۴۳۶/۳۷ھ ۲۰۱۵/۱۶ء

سوال : (۲۳) **عن عمار بن یاسر أن النبی ﷺ أمرہ بالتیمم للوجہ والکفین. (ترمذی :۱۴۴)** (جمع وترتیب : مولوی سیف اللہ پورکر)

ترجمہ،تیمّم کالغوی مفہوم،حدیث کاپس منظر،حدث اکبر والے کیلیے تیمّم کاعندالائمہ کیاحکم ہے؟اختلاف فی ضرب التیمم وتعداد التیمم ،اختلاف فی مسح الیدین مع الادلہ،عندالائمہ ایک تیمّم سے کتنی نمازوں کی گنجائش ہے؟

جواب : ترجمہ : حضرت عماربن یاسرؓ سے منقول ہے کہ نبی کریمﷺ نے انھیں چہرے اوردونوں ہتھیلیوں کیلیے تیمّم کاحکم دیا۔

تیمم للصلوٰۃ : نمازکیلیے تیمّم کرنایعنی مٹی سے منھ اور ہاتھوں پرمسح کرنا۔

پس منظر : ایک آدمی حضرت عمربن خطابؓ کے پاس آیااورعرض کیاکہ مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہےاورمیرے پاس پانی بھی نہیں ہے،توحضرت عماربن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:کیاآپ کویادنہیں کہ میں اورآپ ایک سفرمیں تھے؟ آپؓ نے نمازنہیں پڑھی اورمٹی میں لوٹ پوٹ ہوئے اورنمازاداکی،تواس بات کاتذکرہ میں نے رسول اللہﷺ کے پاس کیا،تونبی کریم ﷺ نے فرمایا:کہ تمہارے لیےاس طرح کرناکافی تھا،اورنبی کریمﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پرمارا،اوران دونوں میں پھونکا،پھران دونوں کے ذریعہ اپنے چہرےاوردونوں ہتھیلیوں کامسح کیا۔(بخاری : ۳۳۸)

☆ ائمہ اربعہ کاجنبی کیلیے تیمّم کی اباحت پراجماع ہے۔(اوجزالمسالک : ۵۷۴)

اختلاف فی ضرب التیمم :

(۱) امام ابوحنیفہؒ،امام مالکؒ،امام شافعیؒ،اورجمہورؒ کے نزدیک تیمّم کیلیے دوضربیں ہونگی،ایک چہرے کیلیے،اورایک ہاتھ کیلیے۔

دلیل: **عن النبی ﷺ قال : التیمم ضربۃ للوجہ وضربۃ للزراعین الی المرفقین .**

(۲) امام احمدؒ اوربعض اہل ظواہر کے نزدیک ایک ہی ضرب ہوگی۔

دلیل : حضرت عماربن یاسرؓ کی حدیث: **إن النبی ﷺ أمرہ بالتیمم للوجہ والکفین .**

جواب : ائمہ ثلاثہؒ اورجمہورحضرت عماربن یاسرؓ کی روایت کاجواب یہ دیتے ہیں کہ جب عماربن یاسرؓ نے اپنے مٹی میں لوٹ بوٹ ہونے کاواقعہ بیان فرمایا،تونبی کریمﷺ نے انکوتیمّم کے بارے میں فرمایا:کہ جوتیمّم وضوکے لیے ہوتاہے وہی تیمّم غسل کی طرف سے ہوگا،اورنبی کریمﷺ نے تیمّم کے خاص طریقے کی طرف اشارہ فرمایا،نیزعمارؓ کی حدیث میں اضطراب ہے،کیونکہ عمارؓ سے دوسری حدیث،ائمہ ثلاثہؒ کے مطابق ہے۔

☆

(۱) امام احمدؒ اورشوافع کاقول قدیم اوراہل ظواہر کے نزدیک رسغین تک واجب ہے۔

دلیل : حضرت عماربن یاسرؓ کی حدیث: **إنما کان یکفیک ھکذا، فضرب النبیﷺ بکفیہ الارض ونضح فیھما ثم مسح بھما وجھہ وکفیہ.**

اس میں کفین کالفظ استعمال ہواہے،جسکااطلاق صرف رسغین پرہوتاہے۔

جواب : امام احمدؒ حضرت عمارؓ کی جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں انکی ایک روایت میں صراحۃً "**مرفقین**" کےالفاظ منقول ہے۔

(حدیثِ عمارؓ) : **کنت فی القوم نزلت الرخصۃ فأمرنا ،فضربنا واحدۃ للوجہ ثم ضربۃ أخری للیدین والمرفقین .**

نیزحضرت عمارؓ کی حدیث میں شدیداضطراب ہے،چنانچہ ایک حدیث مونڈھوں تک کی ہی ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک مرفقین تک واجب ہے۔

دلیل : (۱) **عن جابر عن النبی ﷺ قال : التیمم ضربۃ للوجہ وضربۃ للذراعین الی المرفقین.**

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مرفوع روایت "**عن النبی ﷺ قال : التیمم ضربتان ،ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین إلی المرفقین**".

(۳) قیاس بھی جمہورکی تائیدکرتاہے،چنانچہ اس باب میں مختلف روایتیں ہیں،کسی میں یدین کاذکرہےتوکسی میں کفین کاذکرہےتوکسی میں مرفقین کاہے،توکسی میں نصف ذراع اورکسی میں بغل تک کاذکرہے،چونکہ تیمّم وضوکے قائم مقام ہےلہذااولیٰ یہی ہے کہ یدین کی جوحدوضومیں ہے وہی تیمّم میں ہو،جیساکہ چہرہ کی جوحدوضومیں ہے،تیمّم میں بھی ہے۔

☆

(۱) احناف کے یہاں ایک تیمّم سے جتنی چاہے اتنی نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) مالکیہ اور شوافع کے نزدیک ہر فرض نماز کے لیے مستقل تیمّم ضروری ہے، البتہ فرض کے ساتھ نفل کا پڑھنا جائز ہے، لیکن فرض نماز کی قضاء جائز نہیں۔

(۳) حنابلہ کے نزدیک ایک وقت کی جتنی چاہے نمازیں فرض، نوافل، اور قضاء وغیرہ پڑھ سکتے ہیں۔

سوال : (۲۴) عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ قال : إذا توضأ احدكم فليجعل فی انفه ماء ثم ليستنثر (لینتثر) (سنن النسائی : ۸۶)

ترجمہ، اختلاف فی المضمضہ والاستنشاق مع الادلہ قلمبند کیجیے، طریقہ مضمضہ والاستنشاق کا اختلاف بالدلیل تحریر کیجیے۔

جواب : ترجمہ : حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اپنے ناک میں پانی لے پھر استنثار کرے۔

مضمضہ اور استنشاق کے بارے میں ائمہ کے اقوال مختلفہ :

(۱) امام احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں واجب ہے۔

دلیل : (۱) **عن سلمة بن قيس أن رسول الله ﷺ قال : إذا توضأت فاستنثر** (سنن نسائی : ۸۹)

(۲) اسی طرح حضرت ابوھریرہؓ کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **اذا توضأ احدكم فليجعل فی انفه ماء ثم ليستنثر**. (سنن نسائی : ۸۶)

(۳) اسی طرح مضمضہ کے وجوب پر استدلال ابوداؤد کی روایت سے جو کہ حضرت لقیط بن صبرہ سے مروی ہے "**اذا توضأت فمضمض**"

(ابوداؤد:۱۴۴)

(۲) امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق دونوں وضو اور غسل میں سنت ہیں۔

دلیل: (۱) ابوداؤد کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے اعرابی سے فرمایا: **توضأ كما امرک الله** .(ترمذی :۳۰۲، ابوداؤد:۸۶۱)

(۲) نیز قرآن کریم میں اللہ تعالی کا کوئی امر مضمضہ اور استنشاق سے متعلق نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ واجب نہیں، اور امر کو یہ حضرات استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

(۳) احنافؒ اور سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق وضو میں سنت اور غسل میں واجب ہے۔

وضو کے باب میں دلیل: وہی ہے جو شوافع اور مالکیہ کی ہے۔

غسل کے باب میں حضرت گنگوہیؒ نے "**وإن كنتم جنبا فاطهروا**" سے استدلال کیا ہے کہ اسمیں مبالغہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ غسل کی طہارت وضو کی طہارت سے زیادہ ہونی چاہیے، اسی طرح امام دارقطنی نے اپنی سنن میں محمد بن سیرین سے مرسلا یہ روایت نقل کی ہے "**امر رسول الله ﷺ بالاستنشاق من الجنابة ثلاثا**" (**دار قطنی : ۴۱**) اور مرسل عندالاحناف حجت ہے۔

مضمضہ اور استنشاق کے مختلف طریقے فقہاء سے مروی ہیں:

(۱) **غرفة واحدة بالوصل** : یعنی ایک چلو سے پہلے کلی، پھر ناک میں پانی لینا، پھر کلی، پھر ناک میں پانی لینا، پھر کلی، پھر ناک میں پانی لینا۔

(۲) **غرفة واحدة بالفصل** : چلو تو ایک ہی، لیکن پہلے تین مرتبہ کلی، پھر تین مرتبہ ناک میں پانی لینا۔

(۳) **غرفتان بالفصل** : دو چلو، لیکن ایک چلو سے پہلے تین مرتبہ کلی، پھر دوسرے چلو سے تین مرتبہ ناک میں پانی لینا۔

(۴) **ثلاث غرفات بالوصل** : پہلے چلو سے کلی اور ناک میں پانی، پھر اسی طرح دوسرے اور تیسرے سے کرے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں : شوافع اور حنابلہ کے نزدیک **ثلاث غرفات بالوصل** ہے۔

دلیل : **إن النبی ﷺ مضمض واستنشق من كف واحد. فعل ذلک ثلاثا** (نبی کریم ﷺ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا)

مسلم کی ایک روایت میں ہے "**مضض واستنشق من كف واحدة ففعل ذلک ثلاثا**" اسی طرح ایک روایت بخاری میں بھی ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں: کہ یہ صریح حجت ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں سنت یہ ہے کہ وہ تین چلو سے ہو۔

(۵) **ست غرفات بالفصل** : پہلے تین چلو سے کلی اور پھر تین چلو میں تین مرتبہ ناک میں پانی لینا۔

احناف کے نزدیک یہ راجح ہے اور امام مالک کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

سوال : (۲۵) عن ابی هریرةؓ قال : قال رسول الله ﷺ لو لا أن اشق علی امتی لأمرتهم بالسواک عند کل صلاة .

ترجمہ، مسواک سنت صلاۃ ہے یا سنت وضو؟ اختلاف ائمہ مع الادلہ تحریر کریں۔

جواب : ترجمہ : اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو ہر نماز کے وقت انکو مسواک کا حکم دیتا۔

مسواک سنت صلاۃ ہے یا سنت وضو؟

(۱) شوافع اور امام احمد : وضو اور نماز دونوں میں مسواک سنت ہے۔

دلیل : مذکورہ حدیث : عن ابی هریرةؓ قال : قال رسول الله ﷺ لو لا أن اشق علی امتی لأمرتهم بالسواک عند کل صلاة .

(۲) احناف و مالکیہ : وضو میں مسواک کرنا مسنون ہے نہ کہ نماز میں۔

دلیل : یہ حضرات شوافع اور امام احمدؒ والی دلیل کے بارے میں جواب دیتے ہیں کہ یہاں ایک مضاف محذوف ہے، یعنی ''عند وضو کل صلاة ''، جسکی دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابوھریرہؓ کی یہی روایت مستدرک حاکم میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: '' لو لاأن اشق علی امتی لفرضت علیهم السواک مع الوضوء ''۔ حافظ ذھبی فرماتے ہیں : یہ روایت جس میں کوئی علت نہیں ہے،۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں: امام شافعیؒ نے ''عند کل صلاة '' کو اصل قرار دے کر وضو اور نماز دونوں وقتوں میں مسواک کو مستحب قرار دیا ہے، اور حنفیہ نے ''وضو کل صلاة '' سے تاَویل کی ہے۔ لیکن ابن ہمام شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ پانچ اوقات میں مسواک مستحب ہے ان میں سے ایک ''قیام الی الصلاة'' بھی ہے، تب تو کوئی تعارض ہی نہیں رہا، اور کتب حنفیہ میں جو کراہت کی علت ہے کہ مسواک سے خون نکلے گا اور خون نکلنے سے عندالاحناف وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اگر کوئی آہستہ سے دانت اور زبان کے اوپر سے کرے تو خون نہیں نکلے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال :(۲۶) أن عبدالله بن مسعود کان یقول : من قبلة الرجل أمرء ته الوضوء (مؤطا مالک :۱۳۵)

جواب : ترجمہ، توجیہ، علماء کے مسالک مع الادلہ تحریر کیجیے۔ **لمس مرأۃ کا ہی مسئلہ ہے۔**

سوال :(۲۷) قال یحيٰ : وسئل مالک هل فی القئی وضو؟ قال : لا ، ولکن یتمضمض من ذلک ولیغسل فاه ولیس علیه وضو . (مؤطاامام مالک:۶۹)

ترجمہ، امام شافعیؒ کے مسلک کو واضح انداز میں لکھیں، کون حضرات قئے کو ناقض وضو مانتے ہیں؟ نقض وضو کے قائلین کی دلیل لکھیں۔

جواب : ترجمہ: امام یحیٰؒ فرماتے ہیں : اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا قئے کی وجہ سے وضو کرنا ضروری ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا: نہیں ،لیکن اس کی وجہ سے مضمضہ کرے اور اپنے منہ کو دھولے اور اس پر وضو ضروری نہیں۔

(۱) حضرات شوافع کے نزدیک ہر وہ چیز جو سبیلین سے نکلے تو وہ ناقض وضو ہے اور اسکے علاوہ بدن کے کسی بھی حصے سے کوئی چیز نکلے تو اسکی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا، لہذا قئے کرنے یا نکسیر کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

دلیل : مذکورہ حدیث وسئل مالک هل فی القئی وضو؟ قال : لا ، ولکن یتمضمض من ذلک ولیغسل فاه ولیس علیه وضو .

(۲) احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت، نجاست کا نکلنا ہے، خواہ وہ کہیں سے بھی ہو، جب کہ وہ نکلنے کی جگہ سے تجاوز کرے، مثلاً : اگر رحم سے خون نکلا اور رحم کی حد سے آگے بڑھ گیا، تو وضو ٹوٹ جائے گا، لہذا منہ بھر کر قئے آئے یا نکسیر سے خون بہہ پڑے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

دلیل : حدیث عائشہؓ : ''من أصابه قیئ أو رعاف أو مذی فلینصرف فیلتوضأ، ثم لیبن علی صلاته .''

از : طلبۂ دورۂ حدیث
۱۴۳۶/۳۷ھ ۲۰۱۵/۱۶ء
(جمع وترتیب : مولوی عتیق بن مختار ہرنیکر)

سوال :(۲۸) عن عمرو بن أمية قال : رأيت النبی ﷺ يمسح علی عمامته وخفيه(بخاری:۲۰۵).

ترجمہ،مذکورہ مسئلہ کے متعلق عندالائمہ اختلاف وادلہ،مقیم ومسافر کے لئے مسح علی الخفین کی مدت،مسح علی الخفین افضل ہے یا اتار کر دھونا افضل ہے؟ نیز غسل میں مسح کافی ہوگا؟۔

جواب : ترجمہ: حضرت عمرو بن عمیہؓ نقل فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو عمامہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

مذکورہ مسئلہ کے متعلق عندالائمہ اختلاف وادلہ:

اختلاف اس میں ہے کہ صرف عمامہ پر مسح کافی ہوگا یا نہیں؟

(۱) امام احمدؒ،اور ظاہریہ کے نزدیک فقط عمامہ پر مسح کرنا کافی ہوگا۔

دلیل : مذکورہ روایت نیز : عن ثوبانؓ قال بعث رسول الله ﷺ سرية فأصابهم البرد ،فلما قدموا علی رسول الله ﷺ أمرهم أن يمسحوا علی العصائب والتساخين (المستدرک : ۶۰۲) رسول اللہ ﷺ نے انہیں عمامہ اور موزوں پر مسح کرنیکا حکم دیا،اسی طرح اور بہت سی روایت ہے جو مسح علی العمامہ پر دال ہیں۔

(۲) ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک فقط مسح علی العمامہ کافی نہیں ہوگا اور اس سے مسح کی فرضیت ادا نہ ہوگی۔

دلیل : قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ : وامسحوا برؤكم .(سورۂ مائدہ) اللہ رب العزت نے مسح علی الرأس فرض کیا ہے۔مسح علی الرأس نصاً ثابت ہے،لہذا منصوص کو اس مسح علی العمامہ والی کمزور روایت سے چھوڑا نہیں جائے گا،اور رہی دیگر روایت تو وہ معلول ہے۔اور جو حدیث مسح علی العمامہ کے سلسلے میں ہے،محتمل التأویل ہے،لہذا محتمل کی وجہ سے متیقن کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

تردید : مسح علی العمامہ والی روایت کے سلسلے میں متعدد جوابات دئے گئے ہیں۔

(۱) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مسح علی العمامہ مشروع تھا،لیکن بعد میں ترک کردیا گیا،یعنی بعد میں منسوخ ہوگیا۔

(۲) نیز جو روایت مفصل ہے اس میں ناصیہ پر مسح کرنا ثابت ہے۔''عن المغيرةؓ ان رسول الله ﷺ كان يمسح علی الخفين وعلی ناصيته وعلی عمامته ''(سنن ابی داؤد:۱۵۰) لہذا اس مذکورہ روایت کو راوی کے اختصار پر محمول کریں گے،کہ رسول اللہ ﷺ نے ناصیۃ پر مسح بطور فرض کے کیا اور اس کے ساتھ مسح علی العمامہ استیعاب حاصل کرنے کے لئے کیا۔

(۳) نیز بعض روایت میں تو آتا ہے کہ فأدخل يده من تحت العمامة کہ آپ ﷺ نے ہاتھ کو داخل کیا اور پھر عمامہ کے آزو باز و میں بھی جگہ خالی رہتی ہے۔

(۴) مسح علی العمامہ یہ عذر کی وجہ سے ہے فأصابهم البرد (انکو ٹھنڈی لگ گئی) صراحتاً مذکور ہے۔

(۵) آپ ﷺ نے سر پر مسح کیا درحالیکہ عمامہ سر پر تھا اور سر پر اتارنے کی ضرورت محسوس نہیں کی،تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ عمامہ باریک ہو اور تری سر تک پہنچ رہی ہو۔

مقیم ومسافر کے لئے مسح علی الخفین کی مدت :

(۱) ائمہ ثلاثہؒ اور جمہور کے نزدیک مسح کے وقت کی تعین مقیم کیلئے ایک دن اور مسافر کیلئے تین دن اور تین رات ہے۔

دلیل :(۱)عن خزيمة بن ثابتؓ عن النبی ﷺ قال : المسح علی الخفين للمسافر ثلاثة ايام وللمقيم يوم وليلة (سنن ابی داؤد : ۱۵۷)

(۲)عن ابی بكرةؓ قال النبی ﷺ : سئل عن المسح علی الخفين فقال للمسافر ثلاثة ايام ولياليهن وللمقيم يوم اوليلة .

(۲) امام مالک کے نزدیک کوئی حد متعین نہیں ہے۔

دلیل : (۱) مذکورہ حضرت خزیمہؓ کی روایت کے اندر یہ الفاظ آئے ہیں'' ولو استزدناه لزادنا ''(سنن ابی داؤد:۱۵۷) یعنی اگر ہم زیادتی طلب کرتے تو زیادہ فرماتے۔

(۲) ابن ابی عمارہؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے کہا أمسح علی الخفين (سنن ابی داؤد :۱۵۸) تو حضور ﷺ نے کہا:نعم ،ایک دن؟ فرمایا:ہاں، کہا،دو دن؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:ہاں۔ایک روایت میں ہے،''جتنا آپکے لئے ظاہر ہوجائے''(ضعیف) (سنن ابی داؤد : ۱۵۸)

جمہور اسکا جواب یہ دیتے ہیں : کہ ''ولو استزدناہ لزادنا'' کی زیادتی صحیح نہیں ہے، بعض نے کہا یہ ابتداء کا واقعہ ہے، بعد میں مدت مقرر کی گئی، سب سے بہتر جواب سیدالناس نے دیا ہے کہ ''ولو استزدناہ لزادنا'' یہ عدم توقیت پر دلالت نہیں کرتا ہے، اس لئے کہ کلام عرب میں ''لَوْ'' انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کے لئے آتا ہے، لہذا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر حضور ﷺ سے مدت مسح میں زیادتی طلب کرتے تو زیادتی عطاء کی جاتی، لیکن چونکہ ہم نے زیادتی طلب نہیں کی تو عطاء نہیں کی گئی، اور اسی طرح روایت میں إن شئت کے الفاظ آئے ہیں لیکن یہ بھی ضعیف ہے۔

مسح علی الخفین افضل ہے یا اتار کر دھونا افضل ہے؟

(۱) امام احمدؒ کے نزدیک مسح افضل ہے۔

دلیل : یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اصحاب طالب فضل تھے لہذا جب انہوں نے بجائے غسل کے مسح کو اختیار کیا، تو اسی میں فضیلت ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ: کے نزدیک غسل رجلین افضل ہے کیونکہ اس میں مشقت زیادہ ہے، لہذا اس کو مشقت کا بھی ثواب حاصل ہوگا، اور مسح کے مقابلے میں غسل کی روایات قولاً وفعلاً زیادہ ہیں۔

☆ غسل میں مسح کا فی نہیں ہوگا، بلکہ موزہ نکالنا ضروری ہے۔

(جمع وترتیب : مولوی زکریا ملک)

سوال : (۲۹)عن ابی ہریرۃؓ قال : قال رسول اللہ ﷺ : لاصلاۃ لمن لا وضوء لہ ولا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ (ترمذی : ۲۵)

ترجمہ، وضو میں تسمیہ (بسم اللہ پڑھنا) واجب ہے یا سنت؟ اختلاف ائمہ مع دلیل واضح کیجیے۔

جواب: ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں جسکی وضو نہیں، اور اس شخص کی وضو نہیں، جو وضو میں اللہ کا نام نہ لے۔

(۱) وضو میں تسمیہ کے سنت ہونے میں ائمہ ثلاثہؒ متفق ہیں۔

اور امام احمدؒ ایک روایت بھی اسی طرح ہیں، نیز امام مالکؒ کا مشہور قول اور حنفیہ میں سے صاحب ہدایہ استحباب کے قائل ہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل : حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعا مروی ہے: **من تؤضأ وذکر اللہ علیہ کان طھورا لجمیع بدنہ ومن تؤضأ ولم یذکر اسم اللہ کان طھورا لأعضاء وضوءہ** (الدارقطنی: ۵۲/۱)

(۲) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک عندالتذکیر (یاد آنے کے بعد) واجب ہے، اسکے بغیر وضو درست ہی نہیں ہوگی، لیکن اگر بھول گیا تو وضو ہو جائے گا، اسی طرح حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام نے بھی وجوب تسمیہ کو اختیار کیا ہے، اصحاب ظواہر کے نزدیک مطلقاً واجب ہے، یعنی نسیاناً بھی معاف نہیں ہے۔

دلیل : **عن ابی ہریرۃؓ قال : قال رسول اللہ ﷺ : لاصلاۃ لمن لا وضوء لہ ولا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ (ترمذی : ۲۵)**

اس حدیث سے اصحاب ظواہر اور امام احمدؒ استدلال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اس شخص کا وضو نہیں ہے جس نے اللہ کا نام ذکر نہیں کیا یعنی بغیر تسمیہ کے وضو ہی نہ ہوگا لہذا التسمیہ واجب ہوگا۔

جواب : جس حدیث سے حنابلہ اور اصحاب ظواہر استدلال کرتے ہیں اسکے متعدد جوابات دئے گئے ہیں۔

(۱) اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اس لئے یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہے۔ (۲) اس حدیث میں ''لا'' کمال کی نفی کیلئے ہے، جیسا کہ بعض روایات میں کمال کی نفی کی تصریح ہے، چنانچہ بعض روایات میں صراحتا ''لا وضوء کاملا'' وارد ہوا ہے۔ (۳) ''لا وضوء'' اور ''لا صلاۃ'' اس قسم کے الفاظ مجمل ہوتے ہیں، کیونکہ کبھی یہ نفی ذات صحت کے لئے ہوتی ہے اور کبھی یہ نفی کمال کے لئے ہوتی ہے، لہذا جب کئی احتمالات ہو گئے تو اس سے استدلال درست نہیں ہوگا، نیز تسمیہ فی الوضوء کی تمام روایتیں ضعیف ہیں، لہذا ان سے وجوب کا ستدلال نہیں ہوسکتا، البتہ انکے مجموعہ سے استدلال کر کے اسکو سنت قرار دیا جاسکتا ہے۔

سوال : (۳۰) **إن رسول الله ﷺ سئل عن فأرة سقطت فی سمن فقال : ألقوھاوما حولھاو کلوا سمنکم،**

ترجمہ کیجیے، جامد وسیال سمن میں مثلاً چوہا گر کر زندہ نکل جائے یا مر جائے، تو عندالائمہ اسکا کیا حکم ہے؟ پانی میں نجاست کی آمیزش کی صورت میں عندالائمہ اسکا حکم مع الادلہ مفصلا نذر قرطاس کیجیے۔

جواب :

ترجمہ : نبی کریم ﷺ سے اس چوہے کے متعلق پوچھا گیا جو گھی میں گر جائے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسکو اور اسکے ارد گرد کو پھینک دو اور تم گھی کو کھاو۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں: کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر جامد میں کوئی مردار گر جائے تو اسکو پھینکا جائے گا اور اس کے اردگرد کو پھینکا جائے گا اس وقت جبکہ معلوم ہو کہ اسکے اجزاء میں سے کوئی چیز دوسری جگہ تک نہ پہنچی ہو۔ اور اگر مائع ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

(۱) زھری اوزاعی اور بعض اہل ظواہر : اگر چوہا گھی میں گر کر مر جائے تو اسکے چاروں طرف کی گھی کو پھینک دیا جائے گا چاہے گھی جامد ہو یا پگھلی ہوئی ہو، اور اسکے علاوہ بقیہ گھی پاک ہے۔

(۲) جمہور : جامد اور ذائب کے درمیاں فرق ہے، اور دونوں کا حکم بھی الگ ہے۔ لہذا اگر ذائب میں چوہا گرتا ہے تو تو ساری گھی ناپاک ہو جائے گی اور اسکا کھانا جائز نہیں ہوگا۔

دلیل : (۱) نسائی کی روایت ہے : **فی سمن جامد**

(۲) قال رسول الله : إذا وقعت الفأرة فی السمن فان کان جامدا فالقوھا وما حولھا وان کان مائعا فلا تقربوہ.

(ابوداود) اس روایت میں صراحتا دنوں کے درمیاں فرق ہے۔

مائع کے انتفاع کا حکم:

(۱) امام شافعی : کھانا اور بیع کرنا حرام ہے۔ کھانے اور بیچنے کے علاوہ اس سے انتفاع اور روشنی حاصل کرنے میں حرج نہیں۔

دلیل : **فان کان مائعا فاستصبحوا بہ۔**

(۲) احناف : اسکا صرف کھانا حرام ہے اس کی بیع اور انتفاع وغیرہ جائز ہے۔

دلیل : بیع بھی انتفاع میں سے ہے۔

(۳) حنابلہ : مطلق انتفاع سے منع ہے۔

دلیل : **وان کان مائعا فلا تقربوہ**

سوال: (۳۱) **کان النبی یصلی فی مرابض الغنم قبل أن یبنی المسجد.**

امرنا رسول الله ان نصلی فی مرابض الغنم ولانصلی فی اعطان الابل فانھا خلقت من الشیطان.

ترجمہ کیجیے، مرابض غنم اور مواضع ابل میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ مأکول اللحم کے بول و براز کے متعلق ائمہ کرام کے مذاہب و دلائل قلم بند کیجیے۔

جواب:

ترجمہ : نبی کریم ﷺ مسجد کی تعمیر سے پہلے بکری کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

مرابض : بکریوں کے باندھنے کی جگہ۔

معاطن : اونٹوں کو پانی کے اردگرد بٹھانے کی جگہ۔

مذکورہ روایت میں مرابض غنم میں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے اور معاطن ابل میں نماز پڑھنے سے روکا ہے۔

(۱) امام احمد : معاطن ابل میں عدم صحت کے قائل ہیں اور اگر کسی نے پڑھا تو اعادہ کرے گا۔

دلیل : مذکورہ روایت

(۲) جمہور : جائز ہے؛ کیونکہ معاطن ابل، مرابض غنم کی طرح ہے۔ اور روایت کی نہی کو عدم نجاست کی شرط کے ساتھ کراہت پر محمول کریں گے

اور اگر نجاست ہو تو پھر حرام ہوگا۔تو گویا نجاست علت ہے۔نیز معاطن ابل میں نہی کی علت اونٹ کے بدکنے اور لات مارنے کی وجہ سے کہ وہ نماز شروع کرنے کے بعد نماز کو توڑ دے گا یا خشوع ختم ہو جائے گا۔ بہرحال جمہور جواز مع الکراہت کے قائل ہیں۔اس کے ساتھ دلیل میں یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ناقہ پر بیٹھ کر نماز پڑھی ہے۔اور کبھی آپ ﷺ نے اونٹنی کو سترہ بنا کر نماز پڑھی ہے۔

☆

(۱) امام مالک اور امام احمد : مأکول اللحم جانور کا پیشاب پاک ہے۔

دلیل : أن ا ناسا عرینة قدموا المدینة .....وقال : اشربوا من البانها وابوالها

وجہ استدلال : نبی کریم ﷺ نے عرنیین کے لئے اونٹ کا پیشاب اور انکے دودھ کے پینے کو مباح قرار دیا اور اگر انکا پیشاب ناپاک ہوتا تو آپ ﷺ انکے لئے مباح قرار نہیں دیتے۔

(۲) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی : مأکول اللحم وغیر مأکول اللحم تمام کا پیشاب ناپاک ہے۔

دلیل : استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر من البول .

(جمع وترتیب : مولوی اسماعیل سلیم مہالدار)

سوال : (۳۲) الطھور ماء ہ الحل میتته .

ترجمہ، اختلاف حل میتہ، اختلاف ائمہ مع الادلہ۔

جواب: ترجمہ : نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ہم سمندر میں جاتے ہیں اور ہمارے پاس صرف وضو کے بقدر پانی رہتا ہے اگر اس سے وضو کرتے ہیں تو پینے کے لیے نہیں بچتا تو ایسی صورت میں ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں تو اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ماء البحر انه طھور الحل میتته''

الحل میتتہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعیؒ کے اس میں چار اقوال ہیں:

(۱) سمک کے علاوہ تمام جانور حرام ہے۔

(۲) جتنے جانور خشکی میں حلال ہے ان کی نظیریں سمندر میں بھی حلال ہیں۔اور جتنے جانور خشکی میں حرام ہے ان کی نظیر سمندر میں بھی حرام ہے۔

(۳) مینڈک، مگرمچھ، کچھوا، سمندری کتا اور خنزیر حرام ہے، باقی تمام حلال ہیں۔

(۴) مینڈک کے علاوہ تمام بحری جانور حلال ہیں۔دلیل : وہ احادیث جو ضفدع کے قتل کرنے سے ممانعت کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

علامہ نوویؒ نے امام شافعیؒ اس اخیری قول کو ترجیح دی ہے۔

دلیل : (۱) احل لکم صید البحر وطعامکم . اس آیت میں لفظ ''صید'' عام ہے اس لیے ہر سمندری شکار حلال ہوگا۔

(۲) آپ ﷺ سے پوچھا گیا'' افنتوضأ من البحر ''تو آپ ﷺ نے فرمایا:''الطھور ماء ہ الحل میتته .''

(۳) حدیث العنبر'' فالقی لناالبحر دابة ، یقال له العنبر واکلنا منه نصف شھر ''

یعنی ہمارے لیے سمندر نے ایک جانور ڈالا جس کو عنبر کہا جاتا ہے وہ جانور مچھلی کے علاوہ اور کوئی چیز تھی۔

(۲) امام احمدؒ: سوائے تین جانور کے سب حلال ہیں۔مینڈک، مگرمچھ، کچھوا۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ: سمک کے علاوہ تمام سمندری جانور حرام ہے سمک طافی بھی حرام ہے۔

دلیل : (۱) قال اللہ تعالی : ویحرم علیکم الخبائث....حرمت علیکم المیتة ....احل لکم صید البحر

(۲) ان النبی ﷺ قال : احلت لنا میتتان ودمان السمک والجراد والکبد والطحال ....ھو الطھور ماء ہ الحل میتته .

جواب :احناف نے ''احل لکم صید البحر'' سے استدلال کیا ان کا کہنا یہ ہے کہ یہاں مراد ہر وہ سمندری جانور ہے جس کا شکار کیا جاتا ہے چاہے اسکو کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔اور'' طعامہ'' سے مراد وہ سمندری جانور ہے جن کو کھایا جاتا ہے تو ان کا کھانا حلال ہے۔

عند الشوافع جواب: کہ احل لکم صید البحر سے مراد وہی ہے جو احناف نے کہا البتہ طعمہ سے مراد وہ سمندری جانور ہے جو سمندر کے اندر مر جائے۔اور سمندر اس کو باہر

پھینکے جس کو سمک طافی کہتے ہیں۔دلیل : حدیث عنبر، کہ ایک مرتبہ حضرت ابوھریرہؓ بحرین گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ ﷺ سے سمک طافی کے متعلق پوچھا کہ اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اس کا کھانا حلال ہے پھر حضرت ابوھریرہ کہتے ہیں کہ جب میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو میں نے ان سے سمک طافی کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ''**احل لکم صید البحر وطعامه**'' میں طعام سے مراد سمک طافی ہے اور آیت سے اس کے کھانے کی حلت معلوم ہوتی ہے لہذا اس کا کھانا حلال ہے۔

(۴) امام مالکؒ: بحری خنزیر کے علاوہ تمام سمندری جانور حلال ہیں۔

دلیل : آیت قرآنی ''**ولحم الخنزیر**'' کے عموم کی وجہ سے خنزیر کا استثناء کیا۔

(جمع وترتیب : مولوی اسماعیل سلیم مہالدار)

سوال: (۳۳) **عن أبی امامة أن رسول الله ﷺ : الاذنان من الرأس وکان یمسح رأسه مرة وکان یمسح الماقین.**

ترجمہ، مستفاد مسئلہ کی عمدگی کے ساتھ وضاحت کیجیے۔

جواب: ترجمہ : حضرت ابوامامہ فرماتے ہین کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دونوں کان سر کا حصہ ہے اور آپ ﷺ اپنے سر کا ایک مرتبہ مسح کرتے تھے۔اور آنکھوں کے گوشوں کا مسح کیا کرتے تھے۔

الاذنان من الرأس سے متعلق تین سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) کان سر کا حصہ ہے یا چہرے کا؟ (۲) کان کا وظیفہ کیا ہے، مسح کرنا یا دھونا؟ (۳) کان کا مسح سر کے بچے ہوئے پانی سے کیا جائے گا یا ماء جدید سے؟

پہلے کا جواب:

(۱) امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد : کان سر کا حصہ ہے۔

دلیل : **الاذنان من الرأس**

(۲) بعض اہل علم، شعبی، حسن بن صالح اور ان کے متبعین : دونوں کانوں کا اگلا حصہ چہرہ کا ہے اور پچھلا حصہ سر کا ہے۔

دلیل : حضرت علیؓ آپ ﷺ کے وضو کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پانی ایک چلو لیا پھر ان دونوں کو اپنے چہرے پر مارا اور پھر دوسری اور تیسری مرتبہ اسی طرح کیا پھر اپنے دونوں انگوٹھوں کو کانوں کے اگلے جانب میں گمایا پھر آپ ﷺ نے اپنے داہنے ہتھیلی میں پانی لیا پھر اس کو اپنی پیشانی پر اس طرح ڈالا کہ اس کو اپنے چہرے پر بہتے ہوئے چھوڑ دیا پھر اپنی کہنی تک داے اور بائے ہاتھ کو تین بار دھویا پھر اپنے سر اور دونوں کانوں کے ظاہر کا مسح کیا۔

دوسرے کا جواب :

(۱) امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک کان ممسوح عضو ہے۔

(۲) عامر شعبیؒ: باطن اذن مغسول ہے اور ظاہر عضو ممسوح ہے۔

(۳) امام اسحاقؒ: کان ممسوح عضو ہے مگر باطن اذن کا مسح چہرہ دھوتے وقت ہوگا اور ظاہر اذن کا مسح سر کے مسح کے ساتھ ہوگا۔

تیسرے کا جواب :

(۱) امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ : اذنین کے لیے ماء جدید لیا جائے گا

دلیل : **عن عبد الله بن زید فی صفة وضوء رسول الله ﷺ انه توضا فمسح اذنیه بماء غیر الماء الذی مسح به الرأس.**

(۲) امام ابوحنیفہ : دونوں کانوں کا مسح سر کے بچے ہوئے پانی سے کیا جائے گا۔

دلیل: **الاذنان من الرأس.** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کان سر کا ہی حصہ ہے، لہذا سر کے بچے ہوئے پانی سے ہی کانوں کا مسح کیا جائے گا۔

جواب : امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: کہ اس حدیث کے راوی حماد بن زید ہیں ان کا کہنا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ ''**الاذنان من الرأس**'' آپ ﷺ کا قول ہے یا ابوامامہ کا؟ لہذا معلوم ہوا کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے، چنانچہ اس سے احناف کا استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔ نیز امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

وکان یمسح رأسه مرة : سر کا مسح ایک مرتبہ سنت ہے یا تین مرتبہ ؟

(۱) امام شافعی : سر کا مسح تین مرتبہ، ماء جدید سے سنت ہے۔

(۲) باقی تمام حضرات کے نزدیک ایک مرتبہ مسح کرنا سنت ہے۔

سوال : (۳۴) **ان رجلا رای کلبا یأکل الثری من العطش ....**

ترجمہ، اس منظر کو دیکھ کر مذکورہ شخص نے کیا کیا؟ اور اس کو کیا صلہ ملا؟

جواب: ترجمہ: حضرت ابوھریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے ایک کتا دیکھا جو پیاس کے مارے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا، تو اس نے اپنا موزہ لیا اور اس میں پانی بھر کر اس کتے کو پلانے لگا یہاں تک کہ اس کو سیراب کر دیا، اللہ تعالی نے اس کو اس فعل کا اجر دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔

☆ اس منظر کو دیکھ کر مذکورہ شخص نے اپنے دل میں کہا اس کو بھی اسی طرح تکلیف پیاس کے مارے پہنچی ہے جو مجھ کو پہنچی تھی چنانچہ کنوں میں اترا اور اپنے موزے میں پانی بھر کر منہ سے دبالیا اور باہر آ کر کتے کا پانی پلایا۔

☆ اس کو اس کا صلہ یہ ملا کہ اللہ تبارک وتعالی نے اس کی مغفرت کر دی اور جنت میں داخل کر دیا۔

(جمع وترتیب : مولوی محسن کلی)

سوال : (۳۴) **عن عائشة قالت : کانت احدانااِذا کان حائضا فاراد رسول اللهﷺ ان یباشرھا امر ھاان تتزر فی فور حیضتھاثم یباشرھا قالت وایکم یملک اربه، کما کان النبی ﷺ یملک اربه .**

ترجمہ، بحالت حیض ایک عورت سے استمتاع کی حدود کی تفصیلات مع اختلاف ائمہ، بحالت حیض جماع کی وجہ سے عندالائمہ کیا کفارہ ہوگا؟

جواب :ترجمہ : حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہے کہ ہم میں سے جب کسی کو حیض آتا اور رسول اللہ ﷺ اس سے مباشرت کرنا چاہتے تو اسے حکم دیتے تھے کہ اپنے حیض کے غلبہ کی حالت میں ازار پہن لو اس کے بعد آپ ﷺ اس سے مباشرت کرتے تھے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ تم میں سے اپنی خواہش پر کوئی اس قدر قابو نہیں رکھتا ہے جس قدر نبی کریم ﷺ اپنی خواہش پر پر قابو رکھتے تھے۔

☆ مباشرت بالحائض کی تین قسمیں ہیں:

(۱) مباشرت فی الفرج یعنی جماع کرنا، یہ بالا جماع حرام ہے۔

(۲) مباشرت فی مافوق السرہ وتحت الرکبہ یہ بالاتفاق جائز ہے۔

(۳) مباشرت بین السرہ والرکبہ فی غیر القبل والدبر میں اختلاف ہے۔

(۱) ائمہ ثلاثہ، امام ابویوسف : ناجائز ہے۔

دلیل : (۱) حضرت میمونہؓ کی روایت کہ آپ ﷺ مباشرت سے پہلے ازار باندھنے کا حکم دیتے تھے۔

(۲) حضرت عائشہؓ کی روایت آپ ﷺ حالت حیض میں مباشرت کرنے سے پہلے ازار باندھنے کا حکم دیتے تھے۔

(۳) ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا" **ما یحل للرجل من امرء ته وھی حائض** "آپ ﷺ نے فرمایا:"**ما فوق الازار**"(ابن ماجہ:۱۳۷۵، بیہقی:۳۱۲/۱)

(۲) امام احمدؒ، اور امام محمدؒ: جائز ہے، بشرطیکہ جماع نہ کرے۔

دلیل : **اصنعوا کل شئ الا النکاح** ۔(ابوداود:۲۵۸، ترمذی:۲۹۷۷، ابن ماجہ:۶۴۴)

جنبی اور حائضہ کے لیے تلاوت کی اجازت ہے یا نہیں؟

(۱) ائمہ ثلاثہؒ : قرآن مجید کی تلاوت جائز نہیں، البتہ "مادون الآیۃ" (ایک آیت سے کم) کی عندالاحناف گنجائش ہے، نیز اگر تلاوت کی نیت نہ ہو بلکہ دعا یا ذکر کی نیت ہو تو پوری آیت کی بھی اجازت ہے۔

دلیل : (۱) حضرت علیؓ کی روایت کہ حضور ﷺ کو تلاوت سے جنابت کے علاوہ کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔

(۲) ابن عمرؓ کی روایت" **قال رسول اللهﷺ لا تقرا الحائض ولاالجنب شیئا** "

(۲) امام داود ظاہری، ابن منذر : تلاوت کی مطلقا اجازت ہے۔

دلیل: (۱) ابن عباس کا اثر کہ جنبی کے لیے تلاوت میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ اپنے جملہ اوقات میں اللہ کو یاد کرتے تھے (چنانچہ اس میں طہارت و عدم طہارت دونوں اوقات آ گئے۔)

(۳) امام مالک کے دو قول ہیں: (۱) مطلقا جواز کا ہے (۲) حائضہ کے لیے جواز اور جنبی کے لیے غیر جواز کا ہے۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ حیض ایک غیر اختیاری چیز ہے اور حیض کی مدت بھی بہ نسبت جنابت کے زیادہ ہوتی ہے؛ اس لیے حائضہ کے لیے اجازت ہے ورنہ وہ بھول جائے گی۔

حائضہ قرآن کو جزدان کے ساتھ اٹھا سکتی ہے یا نہیں؟

(۱) حنفیہ، حنابلہ : اجازت ہے۔

(۲) مالکیہ و شوافع : نہیں اٹھا سکتی ہے۔

حالت حیض میں جماع کرنے سے کفارہ ہے یا نہیں؟

(۱) امام احمد اور اسحاق، ابن عباس، قتادہ، حسن بصری، قول قدیم من الشافعیہ : کفارہ واجب ہے۔

دلیل : ابن عباس سے کفارہ کے سلسلہ میں مرفوعاً و موقوفاً روایت موجود ہے۔

ابن عباسؓ کے نزدیک ابتداء میں کیے تو ایک دینار اور اخیر میں نصف دینار (روایۃ من الشافعیہ اصح)

حسن بصری: غلام آزاد کریں گے۔ (روایۃ من الشافعیہ)

امام احمد ان کے نزدیک تخییر ہے، چاہے تو آزاد کرے یا دینار دے۔

(۲) جمہور علماء، امام احمد، مالک، احناف اور شافعیہ قول جدید : عدم وجوب کے قائل ہیں۔

جواب : حدیث ضعیف ہے اور اصل ذمہ کا بری ہونا ہے۔

کتاب الصلاۃ

(جمع وترتیب : مولوی عادل کاتاری)

سوال: (۳۵) **جاء رجل وقد صلی رسول الله ﷺ فقال :ا یکم یتجر علی هذا ،فقام رجل ،وصلی معه.**

ترجمہ،مسجد میں جماعت ثانیہ کاحکم ،مکتوبہ کے اعادہ کاحکم مفصلا۔اورکس نے ساتھ دیا؟

جواب: ترجمہ : ایک شخص آئے درآنحالیکہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے تھے آپ ﷺ نے فرمایا:اس کے ساتھ کون تجارت کرے گا۔ایک شخص کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ نماز پڑھی۔

جماعت ثانیہ کاحکم:

(۱) امام احمداوراہل ظواہر : جماعت ثانیہ کے جواز کے قائل ہیں۔

دلیل : (۱)**جاء رجل وقد صلی رسول الله ﷺ فقال :ا یکم یتجر علی هذا ،فقام رجل ،وصلی معه.**

(۲)اسی طرح حضرت انس کے ساتھ جماعت ثانیہ میں بیس آدمی تھے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ وجمہور : مسجد میں امام ومؤذن ہوتو وہاں تکرار جماعت مکروہ ہے،البتہ اگرکسی مسجد میں غیراہل محلّہ نے آکر جماعت کر لی تو اہل محلّہ کودوبارہ جماعت کرنے کاحق ہے،اسی طرح اگرمسجد طریق ہواوراس میں کوئی امام ومؤذن نہ ہوتواس میں تکرار جماعت جائز ہے۔

دلیل : حضرت ابوبکرہ کی روایت : نبی کریم ﷺ مدینہ آئے اورآپ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھنا چاہا تو دیکھا کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے تو اپنے گھر کی طرف گیے اوراپنے گھروالوں کےساتھ نماز پڑھی۔(اس کے تمام رجال ثقات ہیں)

اگر جماعت ثانیہ جائز ہوتی تو نبی کریم ﷺ گھر میں کیوں جاتے اورحقیقت یہ ہے کہ جماعت ثانیہ کی وجہ سے نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔

مکتوبہ کےاعادہ کاحکم :

(۱) امام شافعی اورابوثور : مکتوبہ نماز کااعادہ بالترتیب کرنا مستحب ہے۔

دلیل : غزوہ خندق کے موقع پرآپ ﷺ کی کچھ نمازیں قضاء ہوگئی اورآپ ﷺ نے ان کو بالترتیب ادا کیا۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اورجمہور : مکتوبہ نمازوں کا اعادہ بالترتیب واجب ہے۔پھر حنفیہ کےنزدیک کثرت طوالت،ضیق وقت اورنسیان سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے ۔امام مالک کےنزدیک ضیق وقت اورنسیان سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔اورامام احمد کےنزدیک صرف ضیق وقت سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔

دلیل : ائمہ ثلاثہ نے آپ ﷺ کےعمل کووجوب پرمحمول کیا ہے دوقرائن کی بناء پر

(۱)حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کاعمل بھی وجوب ہی کے لیے ہوتاہے جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''**صلوا کما رایتمونی اصلی** ''اورامر وجوب کے لیے آتا ہے،لہذانمازوں کااعادہ بالترتیب واجب ہوگا۔

(۲)امام محمد کی مؤطا میں ابن عمر کاایک قول نقل کیا گیاہے جس سے ترتیب کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔

☆ ائمہ ثلاثہ کےنزدیک قضاءنماز جب یادآجائے اسی وقت پڑھنا ضروری ہے چاہے اوقات مکروہہ ہی کیوں نہ ہواورامام ابوحنیفہ کےنزدیک قضاء کاحکم موسع ہے لہذااوقات مکروہہ میں اس کی ادائیگی درست نہیں ہے۔

جمع وترتیب :

سوال : (۳۶) **لقد جعلتمونا کلابالقد رأیت النبی ﷺیصلی انی لبینه وبین القبلة وانا مضطجعة علی السریر فتکون لی الحاجة واکره ان استقبله فانسل انسلالا.**

ترجمہ،ابتدائی جملہ کی تشریح کیجیے،اشیاءمختلفہ کےمروربین المصلی کی صورت میں عندالائمہ نماز کاحکم مع الادلہ تحریرکیجیے۔

جواب :

ترجمہ: کہ تم نےہمیں کتوں کے مانندقراردیا،میں نے اللہ کے نبی ﷺ کونماز پڑھتے ہوئے دیکھا،میں آپکےاورقبلہ کے درمیان ہوتی درآنحالیکہ میں

چارپائی پر لیٹی رہتی مجھے کچھ ضرورت پیش آتی اور میں آپ کے سامنے قبلہ کی طرف ہونے کو ناپسند کرتی تو میں چپکے سے چادر کے نیچے سے نکل جاتی۔

(۱) امام احمد اور بعض اہل ظواہر : کتے اور گدھے اور عورت کے گزرنے سے نماز ٹوٹتی ہے جبکہ سترہ نہ ہو

دلیل : **قال رسول الله ﷺ إذا صلى الرجل وليس بين يديه كآخرة الرحل او كواسطة الرحل قطع صلاته الكلب الاسود والمرأة والحمار .** (ترمذی، مسلم، ابوداود)

(۲) جمہور : فاسد نہیں ہوگی۔

دلیل : (۱) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "**فمرت (أتان) بين ايديهم فلم تقطع صلاتهم**" (ترمذی)

(۲) حضرت عائشہؓ کی حدیث **لقد جعلتمونا كلابالقد رأيت النبي ﷺ يصلى انى لبينه وبين القبلة وانا مضطجعة على السرير فتكون لى الحاجة واكره ان استقبله فانسل انسلالا.**

البتہ کلب کے بارے میں کوئی روایت موجود نہیں ہے لہذا اس کو قیاس کرینگے عورت پر۔

حنابلہ کی طرف سے اعتراض:

جمہور کی حدیث فعلی ہے اور ہماری حدیث قولی ہے لہذا فعلی کو قولی حدیث پر ترجیح نہیں دے سکتے۔

جواب : ترجیح اس وقت ہوگی جبکہ تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں پر تطبیق ممکن ہے کہ یہاں پر قطع سے مراد قطع خشوع ہے۔

(جمع وترتیب : مولوی محمد حنیف ہرزک)

سوال : (۳۷) **عن ابن عمرؓ ان النبى ﷺ قال : ان بلالا ينادى بليل فكلوا وشربوا حتى ينادى ابن ام مكتوم .**

ترجمہ، حضرت ابن ام مکتوم کی اذان کب ہوتی تھی؟ عندالائمہ فجر کیلیے کتنی اذانیں مشروع ہیں؟ مع الادلہ تحریر کیجیے، حدیث میں اذان اول کے کن فوائد کا ذکر ہے؟

جواب : ترجمہ : جب حضرت بلالؓ رات میں اذان دے تو تم کھاؤ اور پیؤ یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دے۔

☆

حضرت ابن ام مکتوم کی اذان صبح صادق کے بعد ہوتی تھی۔

☆

(۱) ائمہ ثلاثہ : فجر کے لیے دو اذان مشروع ہیں۔ ایک صبح صادق سے پہلے اور دوسری صبح صادق کے بعد۔

دلیل : **عن ابن عمرؓ ان النبى ﷺ قال : ان بلالا ينادى بليل فكلوا وشربوا حتى ينادى ابن ام مكتوم.**

(۲) احناف : ایک اذان مشروع ہے، وہ بھی صبح صادق کے بعد (وہ کہتے ہیں کہ اذان اور اقامت کا وقت یہ نماز کا وقت ہے، جس طرح وقت سے پہلے نماز درست نہیں اسی طرح اذان بھی درست نہیں، اگر کوئی دے تو اعادہ ضروری ہوگا)

دلیل : حضرت بلالؓ کی روایت ہے کہ "**انه ﷺ قال : يا بلال ! لا توذن حتى يطلع الفجر**"

اذان اول کے فوائد:

سوئے ہوئے بیدار ہو جائے اور جو بیدار ہے وہ سحری کر لے۔

(جمع وترتیب : مولوی اسامہ خطیب)

سوال : (۳۸) **عن ابن عمرؓ ان النبى ﷺ قدم مكة فدعا عثمان ابن طلحة ففتح الباب فدخل النبى ﷺ وبلال وعثمان بن طلحة اغلق الباب فسألت بلالا ،فقال : صلى فيه ....عن ابن عباسؓ أن النبى ﷺ دخل البيت فكبر فى نواحيه ولم يصل فيه.**

روایتین کے مابین تعارض کے وجوہ رفع کیجیے، کتنی رکعت پڑھی اور کس جگہ پڑھی؟ عندالائمہ الصلاۃ فی الکعبۃ کا حکم مفصلاً تحریر کیجیے۔ آپ ﷺ فتح باب کے بعد کہاں داخل ہوئے؟ یہ واقعہ کب کا ہے؟ اور عثمان بن طلحہ کا لقب کیا تھا اور منصب کیا تھا؟ اغلاق باب کیوں فرمایا؟

جواب :(۱) پہلی حدیث میں ہے کہ ’’ آپ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی‘‘ (۲) دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے پھر اس کے کناروں میں تکبیر کہی اور اس میں نماز نہیں پڑھی۔

تعارض

حضرت عثمانؓ، بلالؓ، عمرؓ سے کعبہ میں اثبات صلاۃ مروی ہے اور ابن عباس کی روایت جو اسامہ سے مروی ہے اس میں نماز کی نفی ہے۔

رفع تعارض : ان دونوں اقوال میں تطبیق یوں ہے کہ کعبۃ اللہ میں کچھ بتوں کے آثار تھے جن کو مٹانا تھا؛ اس لیے اسامہ پانی لانے گئے تھے اور اسی وقت آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور حضرت اسامہ کو پتا نہ چلا ہو۔ یا یہ کہ دروازہ بند تھا اور اسامہ نے دیکھا نہ ہو مگر تکبیر سنی ہوگی اس لیے اس کو بیان کیا، نیز ایک روایت میں ہے کہ اسامہ اونگ رہے تھے اور آپ ﷺ نے اسی وقت نماز پڑھی ہو اور حضرت اسامہ کو اس کا علم نہ ہوا ہو۔ یا یہ کہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ کا ہے ایک بار نماز پڑھی ہو اور حضرت اسامہؓ موجود نہ تھے اور ایک بار نہ پڑھی ہو اور اس وقت حضرت اسامہ موکود تھے تو انہوں نے اسی کو بیان کیا۔

☆

الصلوۃ فی الکعبہ کا حکم :

(۱) عندالجمہور : فرض اور نفل دونوں نمازیں کعبۃ اللہ میں پڑھ سکتے ہیں کیونکہ اصل بات استقبال کعبہ کی ہے جو یہاں پائی جا رہی ہے اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مسلک ہے۔

(۲) ابن عباس ابن جریر طبری کا کہنا ہے کہ یہ جائز نہیں؛ کیونکہ اس صورت میں قبلہ کی طرف پشت ہوگی۔

جواب :ان کا کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

(۳) امام مالک کے یہاں مختلف اقوال ہیں: ان کا کہن ایہ ہے کہ نوافل تو پڑھ سکتے ہیں لیکن فرائض کی گنجائش نہیں۔

☆ آپ ﷺ فتح باب کے بعد بیت اللہ (کعبہ) میں داخل ہوئے۔ یہ واقعہ فتح مکہ ۸ھ کا ہے۔

☆ عثمان بن طلحہ کا منصب ولایت کعبہ تھا۔ اور لقب حجبی تھا۔

☆ آپ ﷺ نے اغلاق باب اس لیے فرمایا تا کہ کوئی اور اندر نہ آئے اور ایک قول یہ ہے کہ دروازہ اس لیے کیا تا کہ آپ ﷺ جو نماز وغیرہ پڑھے لوگ اس کو مشروع نہ کرے لیکن یہ جواب تھوڑا مشکل ہے۔ بس بات اتنی سی ہے کہ دروازہ بند اس لیے کیا کہ کوئی داخل نہ ہو اور اطمینان قلب فوت نہ ہو جائے۔ اور ایک قول ہے کہ دروازہ اس لیے بند کیا تا کہ وہ سترہ کا کام دے۔

(جمع وترتیب : مولوی محمد اسجد بھٹکلی)

سوال : (۳۹) **عن ابی هريرةؓ عن النبی ﷺ قال : اذا اشتدالحر فأبردوا بالصلاة فإن شدة الحر من فيح جهنم واشتكت النار الى ربها فقالت : يا رب أكل بعضى بعضا، فأذن لها بنفسين: نفس في الشتاء ونفس في الصيف.** (بخاری : ۵۲۹۔ فتح الباری : ۵۳۷ ۔۱۸/۲)

ترجمہ، ابراد بالظہر کے متعلق مذاہب قلم بند کیجیے، یہ حکم عندالشافعیہ کن شرائط کے ساتھ مشروط ہے؟ عندالشافعیہ ابراد بالجمعہ کا کیا حکم ہے؟ نیز امام ترمذیؒ کا اعتراض اور اسکا جواب تحریر کیجیے۔

جواب : ترجمہ : جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ابراد کر کے پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی سختی یہ جہنم کے جوش سے ہوتا ہے، آگ نے اپنے رب سے شکایت کی ،تو کہا، ائے رب! میرے بعض نے بعض کا کھایا، تو اللہ نے آگ کو دو (۲) سانس لینے کا حکم دیا، ایک سانس ٹھنڈی میں اور ایک سانس گرمی میں۔

یہاں پر امر کا جو صیغہ آیا ہے، اس کے متعلق بعض کا کہنا ہے کہ یہ امر استحبابی ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ امر ارشادی ہے یعنی دنیوی فائدہ کے لئے ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ امر وجوبی ہے، اسکو قاضی عیاض نے بیان کیا ہے۔ علامہ کرمانیؒ نے عدم وجوب پر اجماع نقل کیا ہے، لیکن حافظ صاحبؒ نے اسکی تردید کی ہے کہ علامہ کرمانیؒ باخبر نہیں ہے، کیونکہ بعض لوگ اسکے وجوب کے بھی قائل ہیں۔

ابراد بالظہر کے متعلق مذاہب :

(۱) جمہور کا کہنا ہے کہ شدت حر میں تاخیر ظہر مستحب ہے، اور بعض نے اسکو جماعت کے ساتھ خاص کیا ہے اور منفرد کے حق میں تعجیل کو افضل کہا ہے، یہ اکثر مالکیہ

کا قول ہے، اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

عندالشافعیہ شرائط : (۱) بلاد حارہ ہو۔(۲) گرمی سخت ہو۔(۳) جماعت ایسی جگہ ہورہی ہو کہ دور سے چل کر آنا پڑتا ہو۔(۴) جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہو۔

(۲) امام احمدؒ اور احناف تسویہ کے قائل ہیں، بغیر تخصیص کے اور بغیر کسی قید کے، اور یہی قول اسحاقؒ، کوفیین اور ابن منذر کا ہے۔

استدلال ترمذی کی حدیث سے کرتے ہیں کہ ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ سفر میں تھے، اور ابراد کا حکم دیا، لہذا قیود کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔

اعتراض ترمذی : امام ترمذیؒ کا کہنا بھی یہی ہے کہ امام شافعیؒ نے جو دور دراز سے آنے کی قید لگائی ہے، حضرت ابوذرؓ کی روایت اس کے خلاف دلالت کرتی ہے ، کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں تھے، حضرت بلالؓ نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابرد ، ابرد ٹھہرو، ٹھہرو، تو اگر دور دراز کی شرط ہوتی تو یہاں پر ابراد کا حکم نہیں ہوتا، اس لئے کے سب لوگ ایک ہی جگہ جمع تھے۔

جواب : علامہ کرمانیؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ سفر میں ایک ہی جگہ جمع ہونا ضروری نہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ لوگ بکھرے ہوئے ہوں۔(فتح الباری :۱۶/۲)

عندالشافعیہ ابراد بالجمعہ کا وہی حکم ہے جو ظہر کا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جمعہ میں ابراد مشروع ہے، تو یہ نماز زوال سے پہلے مشروع نہیں ہوسکتی۔

واللہ اعلم بالصواب۔

سوال :(۴۰) أن طاوساؒ یقول :قلنا لابن عباسؓ فی الإقعاء علی القدمین ؟قال : هی السنة ،فقلنا: إنا لنراه جفاءً بالرجل ؟ قال : هی سنة نبیکم.(ترمذی : ۲۸۳)

ترجمہ وتشریح، مذکورہ مسئلہ کے متعلق مذاہب ائمہ تحریر کیجیے، تشہد اول واخیر میں ہیئت نشست کے متعلق مذاہب ودلائل قلمبند کیجیے، عندالائمہ تشہد کا حکم اور درود کا حکم قلمبند کیجیے۔

جواب : ترجمہ : حضرت طاوسؒ فرماتے ہیں ہم نے عباسؓ سے جلسہ میں ایڑیوں پر بیٹھنے کا حکم دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سنت ہے، ہم نے کہا، ہمارے خیال میں تو یہ آدمی کا گنوارا پن (جہالت) ہے، ابن عباسؓ نے فرمایا: بلکہ وہ تمھارے نبی سنت ہے۔

اقعاء کی دو(۲) تفسیریں کی گئی ہے۔(۱) پنڈلیاں کھڑی کر کے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر سرین کے بل کتے کے بیٹھنے کی طرح بیٹھنا۔اس معنی کر اقعاء بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔(۲) جلسہ میں دونوں پاؤں کھڑے کر کے ایڑیوں پر بیٹھنا، بعض حضرات مثلاً عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ اسکو جائز کہتے ہیں مگر ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہے۔(تحفۃ الالمعی : ۷۶/۲)

مسئلہ مذکورہ :

(۱) دوم کے اعتبار سے (یعنی کتے کے بیٹھنے کی طرح نہیں) بعض اہل مکہ، عطاءؒ، طاوسؒ، ابن ابی ملیکہؒ اور نافعؒ اسکے قائل ہے، اسی طرح بویطی اور املاء میں امام شافعی کا اسکے استحباب پر ایک قول نقل کیا گیا ہے۔

(۲) اکثر اہل علم، جمہور، ائمہ اربعہ اسکی کراہیت کی طرف گئے ہیں (تحفۃ الاحوذی : ۱۴۶/۲)

تشہد اول واخیر میں ہیئت نشست کے متعلق مذاہب ودلائل :

تشہد میں بیٹھنے کے سلسلے میں دو(۲) طریقے وارد ہیں۔(۱) افتراش : یعنی پاؤں کو بچھا کر اس پر سرین رکھنا اور دایاں پاؤں کھڑا کرنا۔

(۲) تورک : یعنی سرین زمین پر رکھنا اور دونوں پاؤں زمین پر بچھا کر دائیں جانب نکالنا یا دایاں پاؤں کھڑا کرنا۔

افتراش افضل ہے یا تورک؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً یعنی تشہد میں افتراش افضل ہے۔

دلیل : (۱) حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث جس میں افتراش کا ذکر ہے۔(ترمذی : ۲۹۲)

(۲)عن عائشة أن النبی ﷺ کان یفرش رجله الیسری ینصب الیمنی.(سنن بیہقی : ۱۱۳/۱)

(۲) امام مالکؒ کے نزدیک مطلقاً ہر رکعت میں تورک مستحب ہے، یعنی دونوں پاؤں نکال کر سرین پر بیٹھنا۔

دلیل : عن عبد الله بن زبیر أن النبی ﷺ کان اذاقعد فی الصلاة جعل قدمه الیسری بین فخذیه وساقه وفرش قدمه الیمنی (مسلم : ۵۷۹)

(۳) امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے نزدیک تشہد اول (دوسری رکعت میں) افتراش، اور تشہد ثانی (چوتھی رکعت میں) تورک افضل ہے، اور جس نماز میں ایک ہی تشہد ہو، جیسے فجر کی نماز اور جمعہ کی نماز، اس میں امام احمد کے نزدیک افتراش مستحب ہے، امام شافعیؒ کے یہاں اس میں بھی تورک مستحب ہے۔

دلیل : **عن ابی حمید أنه وصف صلاة النبی ﷺ قال : فإذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسری وینصب الیمنی ،فإذا جلس فی الرکعة الأخیرة قدم رجله الیسری ونصب الاخری ،ویقعد علی مقعدته .** (بخاری)

احناف کے دلائل کا جواب :

اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ احناف جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، وہ تشہد اول پر محمول ہے، ابوحمیدؓ کی حدیث کی وجہ سے، نیز ابوحمید کی مذکورہ حدیث اخیری تشہد میں تورک کے ثبوت میں نص صریح ہے، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث اسکی نفی میں صریح نہیں ہے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہی ظاہر کے اعتبار سے تورک کی نفی پر دلالت کرتی ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ ظاہری معنی اور نص میں تعارض ہو تو نص کو مقدم کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (تحفۃ الاحوذی : ۱۶۰/۲)

عندالائمہ تشہد کا حکم :

(۱) امام ابوحنیفہؒ : شرح ہدایہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قعدۂ اولی میں تشہد واجب ہے اور تشہد ثانی میں بھی واجب ہے، فرض نہیں ہے، اور ایک قول سنیت کا بھی ہے۔

دلیل : **عن عمرؓ أنه قال : لا تجزی الصلاة إلا بتشهد .**

(۲) امام مالکؒ مطلقاً سنیت کے قائل ہیں۔

دلیل : بعض مالکیہ کا کہنا ہے کہ **(فسبح باسم ربک العظیم)** ''**اجعلوها فی رکوعکم**'' یہاں پر امر کا صیغہ ہونے کے باوجود رکوع اور سجدہ میں تسبیح مندوب ہے، لہذا تشہد بھی مندوب ہوگا۔ (فتح الباری : ۳۸۷/۲)

(۳) امام احمدؒ: مطلقاً (قعدۂ اولی اور اخیرہ میں) تشہد واجب ہے۔

دلیل : **فإذا صلی احدکم فلیقل التحیات ......**(فتح الباری : ۸۳۱)

(۴) امام شافعیؒ قعدۂ اولی میں تشہد فرض نہیں بلکہ سنت ہے، قعدۂ اخیرہ میں تشہد واجب ہے۔

دلیل : **وکان من اصحاب النبی ﷺ أن النبی ﷺ صلی بهم الظهر فقام فی الرکعتین الأُولَیَین لم یجلس فقام الناس معه .....**(بخاری : فتح الباری : ۸۲۹)

طرز استدلال اس طرح ہے کہ اگر تشہد واجب ہوتا تو آپ ﷺ کھڑے ہونے کے بعد لوٹتے اور صحابہؓ واجب کے ترک میں موافقت نہ کرتے، نیز اس روایت سے سجدۂ سہو کا بھی تذکرہ ہے، اور سجدۂ سہو واجب کی طرف سے کافی نہیں ہوتا۔ (فتح الباری : ۳۸۳/۲۔ اوجز المسالک : ۲۲۰/۲)

عندالائمہ درود کا حکم :

(۱) امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور بعض اصحاب مالکیہؒ کے نزدیک درود فرض ہے، اسکے بغیر نماز درست نہیں ہوگی۔

دلیل : (۱)**یأیها الذین آمنوا صلوا علیه** (سورۂ احزاب :۵۶) امر فرض پر دلالت کرتا ہے۔

(۲)**وقال النبی ﷺ ''لاصلاة لمن لم یصل علیّ فی صلاته''**

(۲) امام ابوحنیفہؒ : قعدۂ اخیرہ میں درود پڑھنا سنت ہے، اور مالکیہ کا مشہور قول بھی سنت کا ہے۔

دلیل: عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عمرو بن عاص کی حدیث کہ :**أن النبی ﷺ حکم بتمام الصلاة عند القعود قدر التشهد من غیر شرط الصلاة علی النبی ﷺ** .(بذل المجہود : ۲۰۸/۵۔ فتح الباری:۳۹۶/۲۔ اوجز المسالک : ۴۲۵/۳)

سوال :(۴۱) **عن عائشةؓ أن رسول الله ﷺ کا ن یسلم فی الصلاة تسلیمة واحدة تلقاء وجهه ،ثم یمیل الی الشق الأیمن شیئا** (ترمذی : ۲۹۶)

ترجمہ،سلام پھیرنے کے بارے میں اختلاف ائمہ مع الدلیل تحریر کیجیے۔

جواب : ترجمہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سامنے کی طرف ایک سلام کرتے ، پھر دائیں جانب تھوڑا متوجہ ہوجاتے۔

اختلاف ائمہ مع الدلیل :

(۱) امام مالکؒ،اوزاعیؒ کے نزدیک امام صرف ایک مرتبہ اپنے سامنے کی طرف سلام کرے گا،اور اسکے بعد تھوڑا سا دائیں جانب متوجہ ہوگا،اور مقتدی تین سلام پھیرے گا،ایک سلام اپنے چہرے کے جانب،امام کو جواب دینے کیلئے،پھر ایک سلام دائیں جانب،اور دوسرا سلام بائیں جانب۔

دلیل : مذکورہ حدیث **أن رسول الله ﷺ کا ن یسلم فی الصلاة تسلیمة واحدة تلقاء وجهه ،ثم یمیل الی الشق الأیمن شیئا.**

(۲) ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک نماز میں مطلقا امام،مقتدی،منفرد پر دو(۲)سلام مسنون ہے ایک دائیں جانب،دوسرا بائیں جانب۔

دلیل :**عن عبد الله بن مسعودؓ عن النبی ﷺ أنه کان یسلم عن یمینه وعن یساره "السلام علیکم ورحمة الله ،السلام علیکم ورحمة الله "**(ترمذی : ۲۹۵)

جواب : جمہور،امام مالکؒ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ حدیث ضعیف ہے، نیز اسکو صحیح بھی مانا جائے تب بھی یہ کہا جائے گا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے دوسرا سلام آہستہ سے کہا ہو،جس کو راوی نہ سن سکا ہو اور آپ کا عمل،ایک سلام بیان کردیا ہو، کیونکہ اس حدیث کی راوی حضرت عائشہؓ ہیں ،جو عورتوں کے صف میں سب سے پیچھے رہا کرتی تھیں۔(تحفۃ الاحوذی : ۲/۱۷۰۔ ائمہ اربعہ : ۲۸۱)

(جمع وترتیب : مولوی انظر شر گا ونکر)

سوال : (۴۲) **عن أبی قلابة عن مالک بن الحویرث قال : قدمنا علی النبی ﷺ ونحن شببة ،فلبثنا عنده نحوا من عشرین لیلة وکان النبی ﷺ رحیما ،فقال : لو رجعتم الی بلادکم فعلمتموهم ،مروهم ،فلیصلوا صلاة کذا فی حین کذا ،وصلاة کذا فی حین کذا ،فإذا حضرت الصلاة فلیؤذن لکم أحدکم ولیؤمکم اکبرکم .**(بخاری : ۶۷۶۔فتح الباری : ۶۸۵)

ترجمہ،امامت کی ترجیح وتقدیم کے لئے عندالائمہ صفات کی ترتیب مع الادلہ،حدیث میں اکبر کو کیوں مقدم کیا گیا؟عند الشافعیہ اذان افضل ہے یا امامت؟عند الشافعیہ الجمع بین الاذان والإ قامة کا کیا حکم ہے؟

جواب : ترجمہ : حضرت مالک بن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نوجوان تھے، چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں تقریباً بیس رات تک قیام کیا اور نبی کریم ﷺ نرم اور رحم دل تھے،تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر تم اپنے علاقے میں لوٹ جاؤ،تو تم انہیں تعلیم دو اور انکو حکم دو کہ فلاں نماز فلاں وقت میں اور فلاں نماز فلاں وقت میں ادا کریں،اور جب نماز کا وقت ہوجائے،تو تم میں سے کوئی ایک اذان دے اور تم میں سے بڑا امامت کرے۔

(۱) امام مالکؒ،امام ابوحنیفہؒ،امام شافعیؒ : کے نزدیک اعلم بالسنہ امامت کا زیادہ مستحق ہے۔

دلیل : **عن أبی موسیٰؓ قال: مرض النبی ﷺ فاشتد مرضه فقال مروا أبا بکرؓ فلیصل بالناس.**(بخاری : ۶۶۹۔ فتح الباری : ۶۷۸)

یعنی آپ ﷺ کا مرض شدید ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

(۲) امام احمدؒ،وابویوسفؒ : کے نزدیک اقرأ لکتاب اللہ،امامت کا زیادہ مستحق ہے۔

دلیل : **قال رسول الله ﷺ : یؤم القوم اقرؤهم لکتاب الله فإن کانوا فی القراء ة سواءً فأعلمهم بالسنة** (مسلم:۶۷۳)

جواب : تحقیقی جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں قراء کم تھے اور ہر شخص کو قرأت مسنونہ کے بقدر کی آیات یاد نہیں تھیں،تو حفظ وقرأت کی ترغیب کیلئے امامت میں اقرأ کو مقدم رکھا گیا،لیکن جب قرآن کریم خوب رواج پایا تو اعلم بالسنہ کو امامت کا اولین معیار قرار دیا گیا، کیونکہ اقرأ کی ضرورت نماز کے صرف ایک رکن قرأت سے وابستہ ہے اور اعلم بالسنہ کی ضرورت نماز کے تمام ارکان میں ہوتی ہے،لہذا مرض وفات میں حضرت ابوبکرؓ کو آپ ﷺ کا حکم دینا یہ اعلم بالسنہ ہونے کے اعتبار سے تھا ،اور یہ واقعہ نبوت کے بالکل آخری زمانہ کا ہے،اس لئے یہ ان تمام احادیث کے لئے ناسخ ہوگا،جن میں اقرأ لکتاب اللہ کی تقدیم کا بیان ہے۔

☆ حدیث میں اکبر کو اسلئے مقدم کیا گیا کہ تمام صحابہؓ قرأت وتفقہ فی الدین میں برابر تھے۔

☆ عند الشافعیہ اذان افضل ہے۔

☆ امام شافعیؒ کے نزدیک جو آدمی اذان دے وہی اقامت کہے۔

(جمع وترتیب : مولوی فرحان پٹیل)

سوال : (۴۳) **عن وائل بن حجر قال : سمعت النبی ﷺ قرأ غیر المغضوب علیھم و لا الضالین، قال آمین و رفع بھا صوتہ.**

ترجمہ، مذکورہ حدیث میں امام سفیان اور امام شعبہ کا کن امور میں اختلاف ہے؟ مسئلہ امین بالجہر مفصل و مدلل مع اختلاف الائمہ نظر قرطاس کیجیے۔ بقول امام ترمذی روایت مذکورہ میں امام شعبہ سے کن مواقع میں تسامح ہوا ہے؟ حدیث کی مکمل تشریح کیجیے۔ مذکورہ صورت میں امین کہنا کس کا وظیفہ ہے؟

جواب : ترجمہ : حضرت وائل بن حجر سے منقول ہے، فرمایا: کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو غیر المغضوب علیھم پڑھتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے آمین کہا اور اپنی آواز کو بلند کیا۔

امام سفیان اور امام شعبہ کا اختلاف :

امام سفیان نے اپنی سند میں ''حجر بن عنبس'' کے الفاظ نقل کیے ہیں اور امام شعبہ نے ''حجر ابو العنبس'' کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام سفیان نے '''' حجر اور '' وائل '' کے درمیان کسی دوسرے راوی کی زیادتی نہیں کی لیکن امام شعبہ نے ''حجر'' اور ''وائل'' کے درمیان علقمہ بن وائل کی زیادتی کی۔ اور تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام سفیان ''مد بھا'' کے الفاظ نقل کیے ہیں اور امام شعبہ نے ''خفض بھا'' کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

مسئلہ امین بالجہر :

(۱) شوافع، حنابلہ، جمہور، احناف اور مالکیہ کا ایک قول : امام، مقتدی اور منفرد تمام حضرات آمین کہیں گے۔

امام شافعی، امام احمد اور جمہور نے استدلال کیا حضرت وائل بن حجر کی روایت سے جب میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو آمین کہتے ہوئے سن ا اسی طرح حضرت بلالؓ کی حدی ث میں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا تسبقنی بآمین'' کہ تم مجھ سے آمین میں آگے مت بڑھو، تو ان احادیث سے صراحتا ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بھی آمین کہتے تھے۔

(۲) امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا دوسرا قول : آمین یہ امام کا وظیفہ نہیں ہے بلکہ مقتدی اور منفرد کہیں گے اور ان حضرات نے استدلال کیا آپ ﷺ کا فرمان ''فقولوا: آمین'' سے۔ کہ تم سب آمین کہو، تو یہ دو حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہاں مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم دیا۔

☆ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ : امام و مقتدی سرا آمین کہیں گے۔

دلیل : حضرت وائل بن حجر کی روایت جس کو امام شعبہ نے نقل کیا ہے ''ان النبی ﷺ قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقال آمین وخفض بھا صوتہ'' (ترمذی)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے جب غیر المغضوب علیھم پڑھا تو آمین کہا اور اپنی آواز کو پست کیا۔

امام شافعی اور امام احمد : امام و مقتدی جہرا آمین کہیں گے۔

امام شافعی اور امام احمد کی دلیل : حضرت وائل بن حجر کی حدیث جس کو سفیان ثوری نے نقل کیا ہے ''کان رسول اللہ ﷺ إذا قرأ ولا الضالین، قال: آمین ورفع بھا صوتہ'' (ابوداود) ترجمہ : رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے اور اپنی آواز کو بلند کرتے۔ اور ترمذی کی حدیث میں ''مد بھا صوتہ'' کے الفاظ ہیں۔

بعض حضرات نے شوافع اور حنابلہ کی متدل حدیث جس میں ''مد بھا صوتہ'' کے الفاظ ہیں اس کا یہ جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ یہاں پر مد سے مراد الف کو کھینچ کر پڑھنا ہے، آواز کو بلند کرنے کے معنی میں نہیں ہے۔ لیکن یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ ایک حدیث میں ''رفع بھا صوتہ'' کے الفاظ ہیں جس سے صراحتا ثابت ہوتا ہے کہ یہاں پر ''مد'' آواز کو بلند کرنے کے معنی میں ہیں، اسی طرح ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اتنی زور سے آمین کہتے تھے کہ پہلی صف والے بھی آواز کو سنتے تھے، اگر آپ ﷺ نے پست آواز سے آمین کہا ہوتا تو پہلی صف والوں کے سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ بلند آواز سے آمین کہتے تھے اور اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ''مد'' کو مطلقا کھینچنے کے معنی میں لینا درست نہیں کیونکہ دوسری بہت سی جگہوں پر ''مد'' آواز کو بلند کرنے کے معنی میں لیا گیا ہے، جیسے کے بخاری میں ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ نے اشعار پڑھے تو راوی فرماتے ہیں کہ شاعر نے ''یمد صوتہ'' یعنی شاعر نے اپنی آواز کو

بلند کیا۔اور اسی طرح دوسری جگہ ابوداود میں ابومحذورہ سے ترجیع کے سلسلہ میں منقول ہے ''فمد من صوتک'' کہ تم اپنی آواز کو بلند کرو اور بہت ایسے مقامات موجود ہے جہاں پر ''مد'' آواز کو بلند کرنے کے معنی میں استعمال کیا گیا جس سے صراحتا ثابت ہوتا ہے کہ ''مد'' سے مراد آواز کو بلند کرنا ہے۔اور شوافع اور حنابلہ کے لیے اور بہت ساری احادیث موجود ہے جیسا کہ امام حاکم اور دارقطنی نے ابوھریرہؓ سے نقل کیا ہے ''کان النبی ﷺ اذا فرغ من قراءۃ ام القرآن، رفع صوتہ وقال آمین'' نبی کریم ﷺ جب سورہ فاتحہ کی قرات سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے اور آمین کہتے۔اور دوسری دلیل جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ ابن زبیرؓ اور ان کے ساتھ صحابہ آمین کہتے تھے اور اتنے زور سے کہتے تھے کہ مسجد میں شور ہو جاتا تھا۔

اور احناف نے استدلال کیا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے اثر سے جس کو امام طحاوی نے وائل بن حجر کی حدیث سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں ''کان عمر وعلیؓ لا یجھر ان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بآمین'' حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بسم اللہ اور تعوذ اور آمین کو جہرا نہیں کہتے تھے۔لیکن یہ اثر بہت ضعیف ہے اس لیے کہ اس کی سند میں سعید بن مرزبان البقال ہے جو منکر الحدیث ہے اور اگر ہم اس کو صحیح بھی مان لے تو یہ صحابہ کا عمل ہے اس کے بالمقابل صراحتا احادیث موجود ہے جو آمین بالجہر پر دلالت کرتی ہیں۔

☆ احناف کا بنیادی اختلاف جمہور سے اس لیے ہوا کہ وائل بن حجر سے سفیان نے ''مد'' کے الفاظ نقل کیے اور شعبہ نے ''خفض'' کے الفاظ نقل کیے۔

لیکن ہم سفیان کے الفاظ کو ترجیح دیں گے اس لیے کے شعبہ رجال میں کرتے ہیں لیکن سفیان میں یہ صفت نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ شعبہ سے سند اور متن میں بہت شک کرتے ہیں لیکن سفیان شک نہیں کرتے ہیں اور تیسری وجہ یہ ہے کہ شعبہ اور سفیان دونوں ثقہ ہیں لیکن سفیان شعبہ سے زیادہ اوثق اور احفظ ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے اس کی تائید کی ہے اور خود امام شعبہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

اور امام شعبہ نے ''رفع'' کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں جیسا کہ امام بیہقی نے نقل کیا ہے کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ شعبہ نے پہلے ''مد'' کے الفاظ ذکر کیے پھر اپنے قول سے رجوع کیا اور امام سفیان کی طرح بلند آواز سے آمین کہنے کے الفاظ نقل کیے۔

اور بعض احناف نے اعتراض کیا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''ادعوا ربکم تضرعا وخفیا'' کہ تم اپنے رب کو آہستہ سے پکارو، لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اعتراض اس وقت ہوگا جب ہم آمین کو دعا مانیں گے لیکن ہم آمین کو دعا نہیں مانتے بلکہ جو دعا کی گئی ہے اس پر قبولیت طلب کرتے ہیں اور جب ہم سورہ فاتحہ میں دعا جہرا کر رہے ہیں تو آمین بھی جہرا ہی کہیں گے۔

اور بعض نے اعتراض کیا کہ آپ ﷺ نے آمین جہرا تعلیم کے لیے کیا لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کیونکہ اگر تعلیم کے لیے کیا ہوتا تو صرف آپ ﷺ کہتے لیکن صحابہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے آمین کہتے تھے، اور اتنی آوازیں بلند ہوتی کہ مسجد میں شور ہو جاتا تھا اور تعلیم کے لیے ہی اگر ہم مانتے ہیں تو صرف ایک یا دو مرتبہ ہی جہرا منقول ہونا چاہیے تھا لیکن اتنی کثرت سے صحابہ سے جہرا اور ہمیشگی کے ساتھ ثابت ہونا اس کے صرف تعلیم کے ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ آمین کے جہرا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

امام شعبہ سے تسامح :

بقول امام ترمذیؒ شعبہ سے تین جگہ تسامح ہوا ہے۔(۱) امام شعبہ نے حجر کی کنیت ابوالعنبس کو قرار دیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ ان کی کنیت ابوالسکن ہے ،اور ان کو نام حجر بن العنبس ہے (۲) امام شعبہ نے علقمہ بن وائل راوی کی زیادتی کی ہے اور اس سند میں علقمہ نہیں ہے (۳) اور شعبہ نے ''خفض بھا صوتہ'' کے الفاظ نقل کیے ہیں لیکن اصل الفاظ ''مد بھا صوتہ'' کے ہیں۔

☆ مذکورہ صورت میں آمین کہنا امام کا وظیفہ ہے۔(تحفۃ الاحوذی:۶۰/۲)

(جمع وترتیب : مولوی سہیل بن عبدالعزیز پٹیل)

سوال :(۴۴) عن جابر بن عبد اللہؓ أن معاذ بن جبل کان یصلی مع النبی ﷺ ثم یرجع فیؤم قومہ .(بخاری)

ترجمہ، نیز اقتداء المفترض خلف المتنفل عند الائمہ بالتفصیل حکم قلمبند کیجئے۔

جواب : ترجمہ : حضرت معاذ بن جبلؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے پھر لوٹتے اور اپنی قوم کی امامت کرتے۔

جواز کے قائلین : امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ۔

دلیل: حضرت جابرؓ کی روایت مذکورہ۔

عدم جواز کے قائلین : **امام ربیعؒ، امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ۔**

مذکورہ روایت کے بارے میں کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

بظاہر روایت میں تو کوئی ایسی تصریح نہیں ہے، جو اس بات پر دلالت کرے، کہ حضرت معاذؓ، آپ ﷺ کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کی لوگوں کو جا کر امامت کراتے تھے۔لیکن دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاذؓ وہی نماز کو جا کر پڑھاتے تھے، کیونکہ دیگر روایات میں "**فیصلی لھم الصلوٰۃ تلک الصلاۃ**" (سنن ابی داوٗد : ۵۹۹) کا ذکر ہے۔اور ایک روایت میں عشاء کا لفظ ہے، اور دوسری روایت میں مغرب کا لفظ ہے۔ اس کو یا تو تعدد واقعہ پر محمول کریں گے یا پھر مجازاً مغرب کو بھی عشاء کہتے ہیں۔لیکن راجح یہی ہے کہ عشاء کی نماز پڑھاتے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں : کہ پہلی نماز فرض اور دوسری نفل ہے۔لیکن ایک قابل اعتراض بات یہ ہے کہ **دوسری نماز نفل کیسے ہوئی؟**

جواب : اس لئے کہ حضرت معاذؓ آپ ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں فرض نماز پڑھتے تھے، اور اسکے بعد جا کر لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، نیز اس بات کی تائید کے لئے صراحتاً کئی مسندات میں صحیح سند کے ساتھ یہ الفاظ حضرت جابرؓ سے مروی ہے، کہ یہ معاذؓ کے لئے نفل اور مقتدیوں کے لئے فرض ہے۔(السنن الصغیر للبیہقی : ۵۲۵ سنن الدارقطنی : ۱۰۷۵)

عدم جواز کے قائلین کا جواب : احناف اور انکے تابع حضرات دوسری نماز کو حضرت معاذؓ کیلئے نفل ماننے کو تیار نہیں۔انکا کہنا ہے کہ نفل کا درجہ چھوٹا ہے اور اسکا درجہ کم ہے، اور فرض کا درجہ بڑا ہے، تو بڑے درجے والی نماز چھوٹے درجے والی نماز کے پیچھے کیسے درست ہوسکتی ہے؟

جواب : مذکورہ اعتراض کا جواب : حضرت جابرؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں "**ھی لہ تطوع ولھم فریضۃ**" جب حدیث میں صراحت ہے تو پھر اسطرح کی تاؑ ویل کی کیا ضرورت ہے؟۔

مذکورہ روایت پر امام طحاویؒ کا کلام اور حافظ صاحبؒ کا رد

(۱) امام طحاویؒ نے سند پر کلام کر کے اس **روایت کو مدرج** قرار دیا ہے۔

جواب : روایت کو مدرج قرار دینے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اصل عدم ادراج ہے، یہاں تک کہ تفصیل سے ثابت ہو جائے، اور یہ روایت دوسری سند کے ساتھ بھی مروی ہے۔

(۲) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ **یہ جابرؓ کا ظن** ہے۔

جواب: یہ کہنا مردود ہے، اس لئے کہ جابرؓ ان لوگوں میں سے ہے، جو حضرت معاذؓ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔اور حضرت جابرؓ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی شخص کے بارے میں بغیر مشاہدہ کے، کسی حکم کی خبر دے۔

(۳) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ میں کوئی بحث نہیں ہے، اس لئے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا حکم ہے اور نہ آپ ﷺ کی تقریر، بلکہ صحابی کا قول ہے۔

جواب : صحابی کا قول حجت اس وقت نہ ہوگا جبکہ اسکے مخالف کسی کا قول ہو، اگر اسکے برعکس ہے تو پھر صحابی کا قول حجت ہوگا، اور یہاں پر معاملہ ایسا ہے کہ کوئی مخالف نہیں، کیونکہ حضرت معاذؓ کی امامت میں کئی بدری صحابہؓ اور دیگر صحابہ نماز ادا کر رہے تھے جو کل ستر (۷۰) صحابہ ہیں اور انکے علاوہ کسی صحابی سے ممانعت منقول نہیں ہے۔واللہ اعلم بالصواب (مزید تفصیل کے لئے فتح الباری ۲/ ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، کی طرف رجوع کیجیے۔)

سوال:(۴۵) **عن عائشۃؓ قالت: فینصرف نساء متلفعات بمروطھن (رواہ البخاری).**

(۱) عندالائمہ پنج وقتہ نمازوں کا ابتدائی وانتہائی وقت قلمبند کیجئے۔

(۲) فجر کا اول وقت اور آخر وقت کیا ہے؟ نیز فجر کے افضل وقت کے متعلق مسالک ودلائل تحریر کیجئے۔

(۳) نماز فجر کے درمیان اگر سورج طلوع ہو جائے تو عندالائمہ نماز کا حکم مع الادلہ تحریر کیجئے۔

(۱) پہلے سوال کا جواب

ظہر کے ابتدائی وقت میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ زوال کے بعد فوراً شروع ہو جاتا ہے، البتہ انتہائی وقت ظہر اور ابتدائی وقت عصر میں اختلاف ہے

۱۔امام شافعی و مالک وجمہور کے نزدیک مثل اول پرظہر کا وقت ختم ہوجا تا ہےاور وقت عصر شروع ہوجا تا ہے۔

۲۔امام اعظم ابوحنیفہ کی مشہور روایت مثلین ہے،یعنی وقت ظہر مثلین پرختم ہوجا تا ہے نیز اکثر حنفیہ نے اسی پرفتوی دیا ہے،گرچہ صاحبین نے جمہور کا مسلک اختیار کیا ہے۔

جمہور کی دلیل: ”**صلی العصر حین کان کل شئ مثل ظله**“۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل:”**إذا استد الحر فابرد وا عن الصلوٰة فإن شدة الحر من فیح جهنم**“۔

مذکورہ روایت میں انکا وجہ استدلال یہ ہیکہ حجاز کی گرمی میں ابراد مثل اول پرنہیں ہوتا ہے۔اسی طرح وہ حدیث جس کے اندر عصر ومغرب کے درمیانی وقت کو ظہراور عصر کے درمیانی وقت کے مقابلہ میں کم قرار دیا ہےاور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ عصر کو مثلین پرادا کیا جائے۔

جمہور کی طرف سے مذکورہ دلائل کا جواب!

مذکورہ احادیث میں کوئی حدیث اوقات کی تحدید میں صریح نہیں ہے،جبکہ حدیث جبرئیل میں صراحتاً پہلے دن عصر کی نماز مثل اول پر پڑھنے کا ذکر موجود ہے۔

وقت مغرب:

بالاتفاق غروب شمس کے بعد شروع ہوتا ہے،البتہ انتہاء وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام شافعی کی ایک روایت یہ ہیکہ مغرب کا وقت اتنی دیر رہتا ہے کہ جتنی دیر میں پانچ رکعتیں پڑھی جاسکیں اوراسکی دلیل حدیث جبرئیل ہے کہ اسمیں دونوں دن غروب آفتاب کے بعد فوراً نماز پڑھی گئی۔

لیکن امام شافعی کا مفتی بہ قول یہ ہیکہ انتہاء وقت مغرب غروب شفق پر ہوتا ہے۔البتہ اب شفق کی تعیین میں اختلاف ہے،ائمہ ثلاثہ اور صاحبین شفق سے شفق احمر مراد لیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے یہاں شفق سے مراد شفق ابیض ہے،دراصل اختلاف کی وجہ یہ ہیکہ حدیث میں لفظ شفق آیا ہےاور اسمیں علماء لغت کا اختلاف ہے۔

وقت عشاء:

عشاء کی نماز کے وقت کی ابتدا بالاتفاق بعد انتہاء وقت مغرب ہے،لیکن انتہاء وقت عشاء میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک طلوع صبح صادق تک ہے۔

امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک ایک قول کے مطابق ثلث لیل تک دوسرے قول کے مطابق نصف لیل تک ہے۔

دلیل امام شافعیؒ وامام مالکؒ:

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے عمال کے پاس خط لکھا جسمیں عشاء کے وقت کے بارے میں لکھا ”**والعشاء إذا غاب الشفق إلى ثلث الليل**“۔

دلیل حنفیہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے عبیدہ نے پوچھا کہ عشاء کے نماز کی حد زیادہ سے زیادہ کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا”طلوع الفجر“اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ عشاء کے وقت کی انتہاء فجر تک ہے۔

(جمع وترتیب:مولوی ابرار پردیسی)

سوال : (۴۶) ان کان رسول الله ﷺ لیصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات بمروطهن ما یعرفن من الغلس (ابوداؤد : ۴۲۳)

عندالائمہ فجر کا مستحب وقت مع الدلائل نقل کیجیے۔

جواب:

(۱) امام شافعیؒ،امام احمدؒ،اور امام مالکؒ کا ایک قول : تغلیس افضل ہے۔

دلیل : (۱) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے ایک بار غلس میں نماز پڑھی،پھر دوسری بار اسفار میں پڑھی،پھر اسکے بعد آپ ﷺ کی نماز غلس میں ہوتی رہی یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دار فانی سے کوچ کر گئے،اور اسفار کی طرف رجوع نہیں کیا۔

(۲) **قال ابن عبد البر : صح عن رسول الله ﷺ وعن ابی بکرؓ وعمرؓ وعثمان انهم کانو ایغلسون .**

اور یہ بات محال ہے کہ وہ لوگ افضل کو ترک کر کے غیر افضل پر مداومت کریں۔

(۳) **فینصرف النساء متلفعات بمروطهن ما یعرفن من الغلس**. عورتیں نماز پڑھ کر نکلتی اور غلس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھی۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ایک قول : اسفار افضل ہے۔

دلیل : **أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر.**

جواب: رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ غلس کی تھی، معلوم ہوا کہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے۔ اس سے اتنی تاخیر مراد لی جائے کہ وضوح فجر کا یقین ہو جائے۔ یا اس کو چاندنی راتوں پر محمول کریں گے۔ اسکا اور ایک جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک راوی ایوب بن یسار ہے اور وہ ضعیف ہیں، امام بخاریؒ نے انکو منکر الحدیث کہا ہے۔

(جمع وترتیب : مولوی معین الدین کونڈ ویلکر)

سوال:(۴۷) **عن عبد اللهؓ قال : كنا نسلم على النبي ﷺ .....وقال ان في الصلاة شغلا...(انصرف من اثنتين فقال له ذو اليدين)**

ترجمہ، مذکورہ نجاشی کا نام؟ نمازی کو سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ نمازی پر سلام کی صورت میں نمازی کیا کرے؟ نماز میں قصدا یا اصلاح صلاۃ کی خاطر یا نسیانا وجہلا کوئی کلام کرے تو عند الائمہ اس کا حکم مفصلا و مدللا تحریر کیجیے۔

جواب : ترجمہ : ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نماز میں سلام کیا کرتے تھے۔۔۔

☆ مذکورہ نجاشی کا نام اصحمہ بن بحریہ تھا۔

☆ نمازی کو سلام کرنا جائز نہیں اگر کسی نے کیا تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔

(۱) امام شافعی : نماز میں تلفظ کے ذریعہ سلام کا جواب دینا حرام ہے اشارہ کے ذریعہ سلام کا جواب دینا مستحب ہے۔

(۲) امام مالک امام ابوحنیفہ : ہر حال میں سلام کا جواب دینا حرام ہے۔

☆

(۱) امام ابوحنیفہ، امام احمد: کلام فی الصلاۃ مفسد صلاۃ ہے، چاہے عمدا ہو یا نسیانا، جہلا عن الحکم ہو یو خطایا اصلاح صلاۃ کے لیے ہو، لیکن امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر نماز مکمل سمجھ کر کلام کیا ہو اور نماز مکمل نہ ہوئی ہو تو یہ کلام مفسد صلاۃ نہیں ہے۔

دلیل : (۱) **كنا نتكلم في الصلاة يكلم الرجل صاحبه وهو الى جنبه في الصلاة حتى نزلت ، قو موا لله قانتين ، فأمرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام .**

(۲) امام شافعی : نسیانا اور جہلا عن الحکم کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور عمدا کلام کرنے سے نماز فاسد ہوگی۔

دلیل : ذوالیدین کی روایت : **اقصرت الصلاة ام نسيت فقال النبي ﷺ : اصدق ذو اليدين ؟**

(۳) امام مالک : اصلاح صلاۃ کلام کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

دلیل : ذوالیدین کی روایت۔

(جمع وترتیب : مولوی فرحان پٹیل)

سوال:(۴۸) **إن النبي ﷺ نهى اى يصلى الرجل مختصرا.**

ترجمہ، اختصار کی مختلف تشریحات، نیز اس ممانعت کے اسباب کو مفصلا تحریر کیجیے۔

جواب : ترجمہ : نبی کریم ﷺ نے آدمی کو اختصار کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

اختصار کی تشریحات :

(۱) آدمی کا نماز میں اپنے ہاتھ کو کوکھ پر رکھنا۔

(۲) سورۃ کے آخر سے ایک یا دو آیت کو پڑھنا۔

(۳) طمانینت کو حذف کرنا۔

(۴) آدمی کا نماز میں لاٹھی کو پکڑنا اور اس پر سہارا دینا۔

(۵) سجدہ کی آیت کو حذف کر دینا۔

ممانعت کے اسباب :

(۱) ابلیس کو اسی حالت میں نیچے اتارا گیا۔

(۲) یہود اس فعل کو زیادہ کرتے ہیں۔

(۳) جہنمی لوگ اسی حالت میں راحت حاصل کریں گے۔

(۴) یہ شعر پڑھنے والوں کی صفت ہے کہ جب وہ شعر پڑھتا ہے۔

(۵) متکبرین کی علامت ہے۔

(۶) اہل مصیبت کا فعل ہے۔(تحفۃ الاحوذی:۳۳۹/۲)

(جمع وترتیب : مولوی محمد حنیف ہرزک)

سوال : (۴۹) **من ادرک من الصبح رکعة قبل أن تطلع الشمس فقد ادرک**

ترجمہ،تشریح،ادرک سے کیا مراد ہے؟ مکروہ اوقات کی تفصیل،اوران میں نمازوں کا حکم بالتفصیل مع اختلاف ائمہ ودلائل پیش کیجیے۔

جواب : ترجمہ : جو شخص سورج طلوع ہونے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالے تو اس نے صبح کی نماز کو پالیا۔

تشریح : جو شخص سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک رکعت پاتا ہے پھر دوسری رکعت میں اگر سورج طلوع ہو جائے تو اس کی فجر کی نماز ادا ہو جائے گی اور اسے اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

ادرک سے کیا مراد ہے ؟

ادرک کا معنی ہے،''**الوصول الی الشئی** ''کسی چیز تک پہنچنا۔اس کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ اگر کسی شخص کو فجر کی نماز کا ایک لحظہ بھی اس کے وقت میں حاصل ہو جائے تو اسکو نماز حاصل ہو جائے گی،لیکن یہاں بالاجماع یہ مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ مصلی اتنا وقت پالے جس میں وہ ایک رکعت پڑھ لے اور اس کی دوسری رکعت دوسرے وقت میں ہو تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی یہی جمہور کا مسلک ہے۔

مکروہ اوقات کی تفصیل:

اوقات مکروہہ پانچ ہیں :

(۱)طلوع شمس(۲)استواء شمس(۳)غروب شمس(۴)بعد الفجر(۵)بعد العصر

پہلے تین اوقات میں ممانعت صلاۃ کا تعلق نفس وقت سے ہے اور بقیہ دو میں اداء صلاۃ سے ہے۔

☆

(۱) احناف : پہلے قسم کے بارے میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اس میں کسی بھی قسم کی نماز جائز نہیں چاہے فرض ہو یا نفل۔اور دوسری قسم کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ فرائض اور قضاء نمازیں ان اوقات میں پڑھ سکتے ہیں،نفل کی اجازت نہیں۔

دلیل : **عن عقبة بن عامر قال : ثلاثة اوقات نهانا رسول الله ﷺ ان نصلي وان نقبر فيها موتانا عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعند زوالها حتى تزول وحين تضيف للغروب حتى تغرب .**

(۲) ائمہ ثلاث: ان پانچوں اوقات میں کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ تمام اوقات میں ان کے نزدیک ایک ہی حکم ہے لیکن ائمہ ثلاثہ میں آپس میں قدرے اختلاف ہے۔

امام مالک اور امام احمد : ان اوقات میں صرف فرض نمازوں کی قضاء جائز ہے،لیکن امام احمد کے نزدیک دو رکعت طواف زیارت بھی جائز ہے۔

امام شافعی : فرائض،قضاء نمازیں اور نفل ذوات الاسباب جائز ہے اور غیر ذوات الاسباب جائز نہیں ہے۔

دلیل : (۱) ایک صحابی نے سنت فجر کو فجر کے بعد ادا کیا تو آپ ﷺ نے ان کی تصویب فرمائی۔

(۲) آپ ﷺ کی ظہر کی دو رکعت سنت فوت ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے عصر کے بعد پڑھا (بخاری ومسلم)

جمعہ کے دن استواء کے وقت کسی کے لیے بھی نفل نماز مکروہ نہیں ہے۔

دلیل : آپ ﷺ نے نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا، سوائے جمعہ کے دن کے۔

مکہ مکرمہ اور اس کے حرم میں کسی بھی وقت کوئی بھی نماز مکروہ نہیں، چاہے طواف کی نماز ہو یا کوئی اور نماز۔

دلیل : آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : اے بنی عبد مناف! تم میں سے کوئی لوگوں کے کسی بھی معاملے کا ذمہ دار بنے تو ہرگز کسی کو دن رات کی کسی بھی گھڑی میں کعبہ کے طواف اور وہاں نماز سے نہ روکے۔

سوال : (۵۰) **إنما جعل الإمام ليؤتم به.......وإذا صلى جلوسا فصلوا جلوسا .**

ترجمہ، یہ بات آپ ﷺ نے کس مناسبت سے ارشاد فرمائی؟ امام جلوسا نماز پڑھائے تو مقتدی کیسے پڑھے؟ اختلاف ائمہ مع الادلہ نقل کیجیے۔

جواب: جب نبی کریم ﷺ نے بیمار ہوئے تو آپ ﷺ گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے چند صحابہ نے دیکھا تو قیاما اقتداء شروع کر دی جب آپ نے دیکھا تو انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ ارشاد فرمایا۔

اگر امام عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو تو مقتدیوں کی اقتداء اور اس کے طریقہ کے بارے میں اختلاف ہے۔

(۱) امام مالک : مشہور قول یہ ہے کہ امام قاعد کی اقتداء کسی بھی صورت میں صحیح نہیں اور یہی قول امام احمد کی طرف بھی منسوب ہے۔

دلیل : **لا يؤمنَّ بعدي جالسا**

(۲) امام شافعی امام ابوحنیفہ : امام قاعد کے پیچھے اقتداء درست ہے لیکن غیر معذور مقتدیوں کو ایسی صورت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔

دلیل : نبی کریم ﷺ کے وفات کے واقعہ سے کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور تمام لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

سوال : (۵۱) **عن ابن عمرؓ قال : رأيت النبي ﷺ إذا افتتح الصلاة يرفع يديه او كما قال**

ترجمہ، مسئلہ رفع یدین عند الرکوع وغیرہ پر مکمل روشنی ڈالیے۔

جواب:

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا تمام حضرات کے یہاں بالاجماع ثابت ہے بلکہ بعض نے واجب قرار دیا ہے، رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعی امام احمد : یہاں بھی رفع یدین کے قائل ہیں۔

دلیل : امام بخاری رفع یدین میں فرماتے ہیں کہ تقریبا تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے۔

(۲) امام مالک کی دو روایتیں ہیں: لیکن مفتی بہ قول ترک رفع یدین ہی ہے

سوال : **(۵۲)عن ابن عمرؓ سافرت مع النبي ﷺ وابي بكر ....فكانوا يصلون الظهر.......**

وقال عبد الله : لو كنت مصليا......لأتممتها.

ترجمہ، ابن عمر و دیگر صحابہ سے نفل فی السفر بھی وارد ہے، دریں صورت رفع تعارض کی کیا شکل ہوگی؟ نیز عند الائمہ نفل فی السفر کا کیا حکم ہے؟

جواب :

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کے ساتھ سفر کیا وہ لوگ ظہر اور عصر دو دو رکعت پڑھتے تھے کہ اس سے قبل اور بعد میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں: کہ اگر میں اس سے پہلے یا بعد میں نفل پڑھنا چاہتا تو فرض کو ہی مکمل پڑھ لیتا۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفلِ مطلق سفر میں مستحب ہے لہذا اختلاف اس بات میں ہے کہ سنن رواتب درست ہے یا نہیں؟

(۱) امام شافعی : نفل مطلق کے علاوہ نفل رواتب بھی درست اور مستحب ہے۔

دلیل : عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ انہ کان یتطوع فی السفر صلیت مع النبی ﷺ الظہر رکعتین فی السفر وبعدھا رکعتین۔

(۲) جمہور کے بعض عدم کے قائلین ہیں۔

دلیل : اگر مشروع ہوتی تو فریضہ کا اتمام اولی ہوتا۔

جواب : فرض یہ حتمی ہے اگر تام مشروع ہوتی تو اسکا تام کرنا حتمی ہوتا اور نفل میں تو اختیار ہے لہذا یہ مشروع ہے اور تخییر ہے چاہے تو پڑھ لے اور ثواب حاصل کرے یا نہ پڑھے۔

ابن عمرؓ کی عدم روایت کو نسیان پر محمول کیا جائے گا اور دفع تعارض کیلئے یہ کہا جائے گا

(جمع وترتیب : مولوی ابرار پردیسی)

سوال : (۵۳) **عن عبد الله بن مغفل المزنیؓ ان رسول الله ﷺ قال : بین کل اذانین صلاة ثلاثا لمن شاء**

ترجمہ، سنت قبل المغرب اختلاف ائمہ مع الادلہ، نیز فجر وعصر کے بعد نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے کے سلسلے میں ائمہ کا اختلاف مع الادلہ۔

جواب : ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر دو اذان کے درمیاں نماز ہے۔اس کے لیے جو چاہے۔ یہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

(۱) امام شافعیؒ کے نزدیک دو قول ہیں: لیکن اصح قول یہ ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعت مستحب ہے، اسی طرح امام احمدؒ کے نزدیک بھی مستحب ہے۔

دلیل : **عن عبد الله بن مغفل المزنیؓ ان رسول الله ﷺ قال : بین کل اذانین صلاة ثلاثا لمن شاء .**

(۲) امام ابو حنیفہ اور امام مالک: مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

دلیل : ابراہیم نخعی کی روایت : حضرت ابوبکر، عمر، عثمان یہ حضرات مغرب سے پہلے سنت نہیں پڑھتے تھے۔اسی طرح ابن عمرؓ نے فرمای: کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے نہیں دیکھا۔

جواب : ان صحابہ کا نہ پڑھنا نفی کی دلیل نہیں ہوسکتی جیسے کہ حنفیہ میں سے شیخ ابن ہمام، شاہ صاحب نے جواز کو اختیار کیا ہے، اسی طرح امام شافعی کے لیے بخاری کی روایت بھی مستدل ہے جس کے اندر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **کان المؤذن إذا اذن قام نا س من اصحاب رسول الله ﷺ یبتدرون السواری حتی یخرج النبی ﷺ وهم کذلک یصلون رکعتین قبل المغرب ولم یکن بین الاذان والاقامة شئ.**

(جمع وترتیب : مولوی اسامہ خطیب)

سوال: (۵۴) **کان إذا سجد امکن انفه وجبهة .**

ترجمہ، سجدہ میں پیشانی اور ناک رکھنے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف مع الادلہ، نیز فوت شدہ نماز کے پڑھنے کے بارے میں اختلاف ائمہ مع الادلہ تحریر کیجیے۔

جواب :

ائمہ کا اختلاف :

(۱) امام احمدؒ : سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں کا ٹیکنا واجب ہے، ان میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنا درست نہیں۔

دلیل : ابن عباسؓ فرماتے ہیں : **أمرت ان اسجد علی سبع : الجبهة والانف والیدین والرکبتین والقدمین.** (مسلم، نسائی)

(۲) امام مالکؒ امام شافعی، صاحبین : پیشانی کا ٹیکنا واجب ہے اور ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں۔لیکن اقتصار علی الجبهة سے نماز ہوجائے گی، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔

دلیل : جابر کی حدیث'' **وإذا سجد باعلی جبهته لم یسجد علی الانف.** ''(دار قطنی) اگر دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہوتا تو صرف پیشانی اکتفاء نہیں کرتے۔

(۳) امام ابو حنیفہ اور بعض مالکیہ :صرف ناک پر سجدہ کرنے سے بھی سجدہ کافی ہوگا۔

دلیل : ابن عباس کی حدیث جس کو شیخین نے نقل کیا ہے: **أمرت ان اسجد علی سبعة اعظم .علی الجبهة واشار علی انفه . . .الخ**

آپ ﷺ نے پیشانی کا ذکر کیا اور اشارہ ناک کی طرف کیا اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کی مراد ناک ہی ہے۔

نوٹ : بعض حضرات کا کہنا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے قول سے رجوع کیا اور صاحبین کے قول کو لیا۔

☆ فوت شدہ نماز کے سلسلے میں اختلاف ائمہ مع الادلہ۔

(۱) امام شافعی امام مالک امام احمد اور اسحاق : جب چاہے تب فوت شدہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔

دلیل : آپ ﷺ کا فرمان : **فليصلها إذا ذكرها .**

(۲) امام ابوحنیفہ : مکروہ اوقات میں فوت شدہ نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

دلیل : وہ عمومی احادیث جن میں اوقات منہیہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

☆ امام شافعی کے نزدیک فوت شدہ نمازوں میں ترتیب واجب نہیں لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔

(جمع وترتیب :مولوی عبدالباسط کلدانے)

سوال : (۵۵) **عن عبادة ابن الصامت عن النبى ﷺ قال : لا صلاة لمن لايقرأ بفاتحة الكتاب.**

ترجمہ، مسئلہ قرأۃ خلف الامام مفصل ومدلل پیش کریں۔

جواب :ترجمہ : حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:اس شخص کی نماز صحیح نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھا ہو۔

ائمہ کے مسائل :

(۱) امام ابوحنیفہؒ، قرات خلف الامام مطلقا مکروہ تحریمی ہے۔

دلائل : (۱)**واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون.**

(۲)**عن ابى موسىؓ قال : علمنا رسول الله ﷺ قال: اذا قمتم الى الصلاة فليومكم احدكم ، واذا قرأالامام،فانصتوا .**

(۳)**عن جابرؓ عن النبى ﷺ قال : من صلى خلف الامام فان قراء ة الامام له قراء ة .**

(۴)**عن عائشةؓ عن النبى ﷺ قال : الامام ضامن والمؤذن مؤ تمن فارشد الله الائمة وغفر للمؤمنين .**

(۲) امام مالکؒ، امام احمدؒ، جہری نماز میں واجب نہیں اور سری نماز میں مستحب ہے اسی طرح امام احمد کے نزدیک جہری نماز میں اگر امام کی آواز نہ پہنچتی ہو تو مقتدی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے گا۔

دلیل : **معنى قول النبى ﷺ "لاصلاة لمن لم يقرا بفاتحة الكتاب "،اذا كان وحده**

(۳) امام شافعیؒ : مطلقا واجب ہے۔

دلائل : (۱)**عن عبادة ابن الصامت عن النبى ﷺ قال : لا صلاة لمن لايقرأ بفاتحة الكتاب،**

احناف کی جانب سے اس حدیث پر اعتراض ہوتا ہے کہ عبادہ بن صامت کی روایت میں ابوداود،نسائی ودیگر کتب میں" فصاعدا " کی زیادتی موجود ہے؟

جواب : امام بخاریؒ کہتے ہیں :"فصاعدا" اس کی زیادتی میں معمر تنہا ہے دوسرا کوئی اس زیادتی کو نقل نہیں کرتا،اگر ہم اس زیادتی کو مان بھی لے تب بھی وہ وجوب پر دلالت نہیں کرتی؛اس لیے کہ امام سیبویہ کہتے ہیں کہ فصاعدا ایجاب ماقبلہ اور تخییر مابعدہ کے لیے آتا ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ واجب ہے اور اس کے بعد ضم سورہ میں اختیار ہے۔

(۲)**عن ابى هريرةؓ عن النبى ﷺ قال : من صلى صلاة لم يقرا فيها بام القرآن فهى خداج "ثلاثا"غير تمام .فقال اقرا بها فى نفسك .**

(۳)**عن عبادة بن الصامتؓ قال : صلى رسول الله ﷺ الصبح فثقلت عليه القراء ة فلما انصرف قال : انى اراكم تقرؤن وراء امامكم ؟قال : قلنا ، يا رسول الله ! اى والله ! قال : لا تفعلوا ، الا بام القرآن فانه لا صلاة لمن لم يقرا بها .**

ان تمام روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے،جس حدیث میں "من يخالجنى" آیا ہے تو اس سے مراد آپ ﷺ کا ناراض ہونا سورہ فاتحہ کے پڑھنے پر نہیں تھا بلکہ ضم سورت پر تھا؛اس لیے خود نبی کریم ﷺ نے مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا،تو پھر آپ ﷺ کے ناراض ہونے کا سوال نہیں ہوتا۔

احناف کی احادیث کا جواب :

(۱) ”واذا قرئ القرآن ...“اس کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں۔

(۱)اس آیت سے احناف کا ستدلال کرنا درست نہیں ہےاس لیے کہ صاحب تلویح نے ایک اصولی بات ذکر کی ہے کہ جب قرآن کی آیتوں میں تعارض ہوجائے تو احادیث کی طرف رجوع کیا جائے گالہذا یہاں پر دو آیتوں میں تعارض ہوگیا ہے(۱)”واذا قرئ القرآن“(۲)فاقرءاما تیسر من القرآن۔ چنانچہ حنفیہ نے اپنے اصول کے اعتبار سے حدیث”من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ“ کی طرف رجوع کیا،لیکن اس اصول کے اعتبار سے حنفیہ کا آیت کومثال بنا کر پیش کرنا تعجب کی بات ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حدیث کومثال بنا کر پیش کرتے ،لیکن انہوں نے قاعدہ سے ہٹ کر آیت کومثال بنا کر پیش کیا۔

(۲)اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے کہ خطبہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے یا کلام فی الصلاۃ کے بارے میں انزل ہوئی جیسا کہ یہ پہلے جائز تھا۔

(۳)اسی طرح یہاں پر اصل خطاب مسلمانوں کے بجائے غیروں کے لیے ہے، کہ وہ قرآن کے پڑھتے وقت شور مچاتے ہیں اس لیے ان کوکہا گیا کہ قرآن کوخاموشی کے ساتھ سن لیا کرو،تب ہی تو تم کو ہدایت حاصل ہوگی۔

لیکن الفاظ کاعموم استدلال کا اجازت دیتا ہےلہذا اگر آیت مبارکہ سے استدلال کیا گیا تو اسکا جواب یہ ہوگا کہ انصات کی خلاف ورزی اس وقت ہوگی جب کہ مقتدی امام کے ساتھ قرائت کرے لیکن ہم مقتدی کوامام کے ساتھ قراءت کاحکم نہیں دیتے ہیں بلکہ اس سکتہ میں پڑھنے کاحکم دیتے ہیں جوامام کی سورہ فاتحہ کے بعد ہوتا ہے، یا پھر مقتدی کودل میں پڑھنے کاحکم دیتے ہیں جیسا کہ امام اگر خطبہ دے رہا ہوتو آپ بھی اس بات کے قائل ہوکہ جب امام ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی پر پہنچتا ہےتو سامعین کودل میں درود پڑھنے کاحکم دیتے ہوجس کی وجہ سے خطبہ کا سننا بھی ہوجاتا ہےاور درود بھی ہوجاتا ہے،اسی طرح یہاں پر بھی امام کی سورہ فاتحہ بھی ہوجاتی ہےاور مقتدی کی بھی سورہ فاتحہ ہوجاتی ہے۔لہذا دونوں چیزوں پرعمل ہوگیا(انصات اور قرأت)۔

(۲) وإذا قرأ فأنصتوا.

جواب: احناف کااس سے بھی استدلال کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اکثر حفاظ کے نزدیک یہ لفظ غیر محفوظ ہے جیسا کہ امام زیلعی نے نصب الرایۃ میں امام بیہقی کے حوالہ سے اس کو بیان کیا ہے۔

(۳)من صلی خلف الإمام ......

جواب:اس حدیث پرمحدثین نے کلام کیا ہے جیسے کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری اور تلخیص میں اس بات کوذکر کیا ہے کہ دارقطنی نے اس کے تمام طرق کوجمع کیااوراس کوضعیف قرار دیا ہے۔لیکن احناف نے دارقطنی کواس مسئلہ میں منفرد سمجھا ہے لیکن فن رجال کے ماہرین نے اس پرکلام کیا ہے۔

اگر ہم اس کوصحیح یا حسن مان بھی لیں تب بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہےلیکن مقتدی کا پڑھنا حرام نہیں ہے۔نیز اس کا مطلب یہ بھی ہوگا کہ مقتدی کے لئے امام کی سورۂ فاتحہ کافی نہیں ہوگی بلکہ اس کے بعد کی سورہ کافی ہوگی یا نبی کریمﷺ کا فرمان اس مقتدی پرمحمول کیا جائیگا جوامام سے رکوع کی حالت میں ملےاس لئے کہ صحیحین میں ہے کہ جومقتدی رکوع میں امام کے ساتھ ملے تو اس کورکعت مل جائیگی یعنی امام کی قرأت اس رکوع میں ملنے والے مقتدی کے لئے کافی ہوگی۔

نیز یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہےلہذا اس کے ذریعہ قراءت خلف الامام کی ممانعت پراستدلال کرنا درست نہیں ہےاس لیے کہ اس حدیثکے راوی حضرت جابرؓاور وہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھےاسی طرح اس حدیث کوحضرت ابوھریرہ،انس،ابوسعیدابن عباس،علی،عمران بن حصین رضی اللہ عنھم نے روایت کیا ہےاور یہ تمام قراءت خلف الامام کافتوی دیتے تھےاور احناف کے نزدیک اصول یہ ہے اگر راوی کا فتوی اس کی حدیث کے خلاف ہوتو حدیثکومنسوخ مانا جاتاہےاورفتوی کوترجیح دی جاتی ہے۔

نیز احناف بعض صحابہ کے آثار سے بھی استدلال کرتے ہیں،لیکن اس وقت درست ہوگاجب کہ اس کے مقابل میں کوئی حدیث مرفوع یا کسی صحابی کا قول موجود نہ ہواور یہاں پرایسی بات پائی نہیں جارہی ہےتو اس سے ان کا استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔

(۴)الامام ضامن ....

جواب :اس روایت سے احناف کا استدلال کرنا درست نہیں ہےاس لیے کہ ضامن بننے کے بعد اس سے مطالبی اس وقت ہوگا جب کہ قرض خواہ قرض دینے سے

عاجز ہو اسی طرح امام اس وقت ضامن ہوگا جب کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھنے سے عاجز ہو ورنہ وہ ضامن نہ ہوگا۔

امام احمد اور امام مالکؒ کے قول کا جواب :

کیونکہ وہ زِاذا کان وحدہ کی زیادتی بیان کرتے ہیں وہ سفیان کا مدرج کلام ہے، لہذا مرفوع احادیث کو چھوڑ کر سفیان کے مدرج کلام سے ان کا استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔

سوال:(۵۶) عن الأسود قال : شهدت ....فأنمالكمانافلة ..

ترجمہ، مسجد خیف کدھر ہے؟ پنج وقتہ فرائض میں سے کوئی نماز ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد دوبارہ باجماعت اس کے اعادہ کے متعلق ائمہ کرام کے مسالک ودلائل کو لکھیے، عندالائمہ ایسی صورت میں اسکی فرض کون سی شمار ہوگی؟ اور کیا پہلی نماز باجماعت ادا کی ہو تب بھی اعادہ کی اجازت ہے؟

جواب:

مسجد خیف منی میں ہے۔

☆

(۱) امام شافعیؒ، امام احمدؒ : جو شخص تنہا نماز پڑھ چکا ہو اور بعد میں اس کو کوئی جماعت ملجائے تو اس جماعت میں نفل کی نیت کے ساتھ شامل ہو جائے گا اور یہ حکم شوافع کے یہاں پانچوں نمازوں کے ساتھ ہے۔ البتہ امام احمدؒ فرماتے ہیں : کہ مغرب کی نماز میں ایک رکعت کا اضافہ کرے گا۔

(جمع وترتیب :مولوی قاسم بوبیرے)

سوال :(۵۷) عن مالك بن حويرث انه رأى النبى ﷺ فكان إذا كان فى وتر من صلاته لم ينهض حتى يستوى جالسا .

ترجمہ، جلسہ استراحت کے بارے میں ائمہ کا اختلاف مع الادلہ تحریر کیجیے۔

جواب :ترجمہ : حضرت مالک بن حویرث سے منقول ہے کہ آپنے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ جب اپنی نمازوں میں سے وتر میں ہوتے تو نہیں کھڑے ہوتے یہاں تک کہ برابر بیٹھ جاتے۔

ائمہ کا اختلاف :

(۱) امام شافعی : پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے فراغت کے بعد جلسہ استراحت کو مسنون قرار دیتے ہیں۔

دلیل : عن مالك بن حويرث انه رأى النبى ﷺ فكان إذا كان فى وتر من صلاته لم ينهض حتى يستوى جالسا .

(۲) امام مالک امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی : جلسہ استراحت مسنون نہیں ہے بلکہ سیدھا کھڑا ہونا افضل ہے، البتہ جائز ہے، اگر کر لے تو سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں۔

دلیل : مسی فی الصلاۃ کی حدیث جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے خلاد بن رافع کو نماز کا صحیح طریقہ فرمایا اور پھر سجدہ سے اٹھنے کے وقت فرمایا ’’ثم ارفع قائما ، ثم افعل ذلك فى صلاتك كلها ‘‘

جواب : امام حمیدی نے آٹھ، دس صحابہ کے سامنے نماز پڑھ کر بتلائی اور اس میں جلسہ استراحت کیا اور کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔

كتاب الجمعة

(جمع وترتیب : مولوی عبید اللہ بورکر)

سوال: (۵۸) **بینما النبی ﷺ یخطب یوم الجمعة اذ جاء رجل ،فقال النبی ﷺ أصلیت ؟ قال: لا، قال : قم فارکع.**

ترجمہ، رجل کا نام، مسئولۂ نماز کا نام، عندالائمہ دوران خطبہ اس نماز کا حکم مفصل ومدلل تحریر کیجیے۔

جواب: ترجمہ: اس دوران کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے نماز پڑھی؟ تو اس نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، نماز پڑھو۔

☆ آنے والے شخص **سُلیک بن ربیع** تھے۔اور جس نماز کے متعلق پوچھا گیا اسکا نام **"تحیۃ المسجد"** ہے۔

دوران خطبہ نماز پڑھنے کے سلسلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، اور صحابہؓ میں ابوسعید خدریؓ، سفیان بن عیینہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک دوران خطبہ مختصراً تحیۃ المسجد پڑھنا سنت ہے۔

دلیل: (۱) مذکورہ حدیث : **"قم ،فارکع"**

(۲) **اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین**

(۲) امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا ممنوع ہے۔

دلیل: (۱) **وإذا قرئ القرآن فاستمعوا وانصتوا.**

(۲) **عن ابی ہریرۃؓ ان رسول للہ ﷺ "من قال یوم الجمعة والامام یخطب : انصت ! فقد لغا**

جس نے امام کے خطبہ کے دوران کسی سے کہا، خاموش رہو، تو اس نے لغو بات کہی۔

احناف کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا جب گفتگو جائز تھی، مگر شوافع اسکا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ واقعہ آخری زمانہ کا ہے، اور نسخ الکلام ابتدائی زمانہ میں ہوا تھا۔

(جمع وترتیب: مولوی ابرار پردیسی)

سوال : (۵۹) **أن رسول الله قال: غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم**

ترجمہ، غسل جمعہ کا حکم مع الادلہ تحریر کیجیے۔

جواب : ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔

اختلاف ائمہ :

(۱) امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور جمہور سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

دلیل : (۱) ترمذی کی روایت، حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں : **قال رسول الله ﷺ من تؤضأ یوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل**

(۲) **قال رسول الله ﷺ : من تؤضأ فأحسن الوضوء ثم أتی الجمعة فدنا واستمع وانصت غفر له ما بینه وبین الجمعة وزیادة ثلاثة ایام** .(اس حدیث میں صرف وضو کا ذکر ہے، اس میں غسل کا ذکر نہیں ہے)

(۳) ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطابؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، اتنے میں حضرت عثمانؓ تشریف لاتے ہیں تو حضرت عمرؓ ان سے پوچھتے ہیں کہ دیر کیوں؟ تو حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ کسی کام کی وجہ سے تاخیر ہوگئی، مؤذن کی آواز سن کر صرف وضو کر کے چلا آیا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: کہ صرف وضو کر کے آئے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے دن غسل کا حکم فرمایا۔

(۲) ظاہریہ اور امام مالک کی ایک روایت یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل واجب ہے۔

دلیل: (۱) **من أتی یوم الجمعة فلیغتسل .**

(۲)　　اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے واقعے میں امر رسول ﷺ کی وجہ سے ظاہر یہ وجوب کی طرف گئے۔

جمہور نے اس سے یہ استدلال کیا کہ امر وجوب کے لیے ہوتا تو حضرت عثمانؓ غسل کو ترک نہیں کرتے، اور حضرت عمرؓ بھی ان کو لوٹا کر غسل کا حکم دیتے، نیز غسل کا حکم پہلے ایک عارض کی وجہ سے تھا، جب وہ عارض ختم ہوگیا تو حکم بھی ختم ہوگیا، اور وہ عارض یہ تھا کہ کچھ لوگ کام کاج کرتے تھے جس کی وجہ سے پسینہ آتا تھا اور بدبو آتی، جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہوتی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! جب تم جمعہ کے لیے آؤ تو غسل کر کے آؤ، اور خوشبو وغیرہ ہو تو خوشبو بھی لگا کر آؤ۔ اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ احادیث میں امر استحباب پر محمول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(جمع وترتیب: مولوی الیاس جلگاؤنکر)

سوال: (۶۰)　　**کان النبی ﷺ یرکع قبل الجمعة اربعالا یفصل فی شیئی منهن**

ترجمہ، قبل الجمعۃ وبعد الجمعۃ سنت پڑھنے کے بارے میں اختلاف ائمہ مع الادلہ قلمبند کیجیے، اگر کوئی جمعہ کی ایک رکعت پائے تو عندالائمہ اسکا کیا حکم ہے؟ مع الدلائل تحریر کیجیے، نیز جمعہ سے پہلے سفر کرنے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف تحریر کیجیے۔

جواب :

اختلاف فی سنن قبل الجمعة وبعدها :

(۱)　احناف :　　جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنا مسنون ہے اور اکثر ائمہ بھی اسی کے قائل ہیں البتہ امام شافعی کے نزدیک بھی دو رکعت مسنون ہے، بہر حال جمعہ کی سنن قبلیہ کی سنت کے تمام ائمہ قائل ہیں۔

(۲)　ابن تیمیہ :　　اس کا بالکل انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جمعہ سے قبل کوئی نماز پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور صحابہ کرام سے جو قبلیہ سنت ثابت ہے وہ مطلق نوافل پر محمول ہے بالکل روایات میں تو آتا ہے کہ آپ ﷺ مسجد میں آتی ہی منبر تشریف فرماتے اور سنن پڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔

جواب : لیکن ابن تیمیہ کا یہ دعوی درست نہیں اسلیے کہ جہاں تک آ ﷺ کے مسجد میں آتے ہی خطبہ کے شروع کرنے کا تعلق ہے ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ گھر پر پڑھ کر آتے ہو، نیز بعض روایات سے سنن قبلیہ کا ثبوت ملتا ہے۔

دلیل :　**کان النبی ﷺ یرکع قبل الجمعة اربعالا یفصل فی شیئی منهن. (ابن ماجه)**

اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر صحابہ کرام کے آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ امام ترمذی نے اسی باب میں فرمایا: کہ حضرت عبداللہ بن عباس جمعہ سے پہلے اور بعد میں چار رکعت پڑھتے تھے۔

اسی طرح ظہر پر قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جمعہ سے پہلے سنت ہونی چاہیے۔ امام شافعی امام ابوحنیفہ اور ان کے علاوہ کے نزدیک چار رکعت مسنون ہے۔

دلیل : حضرت ابوھریرہ کی مرفوع حدیث "**من کان منکم مصلیا بعد الجمعة فلیصل اربعا**"

اختلاف فیمن یدرک من الجمعۃ رکعۃ :

(۱)　ائمہ ثلاثہ اور امام محمد :　اگر کوئی شخص جمعہ کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد شریک ہو تو اس پر ظہر کی نماز واجب ہوگی۔

دلیل : حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث :　**من ادرک رکعة من الصلاة فقد ادرک الصلاة .**

(۲)　امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف :　　اگر قعدۂ اخیرہ میں سلام سے پہلے شریک ہوگیا ہو تو وہ دو ہی رکعت پڑھے گا۔

دلیل : **إذا اتیتم الصلاة فعلیکم السکینة فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا .**

اس میں جمعہ اور غیر جمعہ کی کوئی تصریح نہیں لیکن یہاں پر عام نماز اور جمعہ کی نماز میں فرق ہے کہ جمعہ میں جماعت فرض ہے اگر دونوں ہی رکعتیں چلی گئی تو تنہا رہ گیا اور تنہا کی جمعہ نہیں ہوتی۔

اختلاف فی السفر قبل الجمعۃ :

اگر کسی وقت میں بھی سفر کر رہے ہیں اور جمعہ نہیں فوت ہو رہی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے اگر زوال کے بعد سفر کر رہے ہیں اور راستہ میں بھی جمعہ نہیں مل رہی تو سفر کرنا ممنوع ہوگا۔ البتہ زوال سے پہلے امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک سفر کرنے کی گنجائش نہیں البتہ ایک قول جواز کا بھی ہے، اور اسی کو احناف نے ترجیح دی ہے۔

دلیل : حضرت عبداللہ بن رواحہ کو نبی کریم ﷺ نے سریہ میں بھیجا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو آگے بھیج دیا اس ارادہ سے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جمعہ پڑھ کر بعد میں ان سے ملوں گا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ان لوگوں نے جو فضیلت حاصل کی اگر تم ساری دنیا کو خرچ کرو گے تب بھی نہیں ملے گی۔

جواب : تو اس سے جمعہ سے پہلے سفر کرنے کا جواز معلوم ہوا لیکن امام ترمذی نے اس پر کلام کیا ہے اور کہا کہ اس راوی نے اپنے استاذ سے صرف پانچ احادیث سنی اور ان پانچ احادیث میں یہ حدیث نہیں ہے گویا یہ منقطع روایت ہے۔

امام احمد کے نزدیک زوال کے بعد اور زوال سے پہلے دونوں حالتوں میں سفر کرنا مکروہ ہے۔

(جمع وترتیب : مولوی عادل کاتاری)

سوال : (۲۱) **عن سهل بن سعد قال : ماكنا نتغدى فى عهد رسول الله ﷺ ولا نقيل الا بعد الجمعة .**

ترجمہ، عندالائمہ جمعہ کا وقت مع الدلیل۔ کتنے فاصلے سے جمعہ کے لیے آنا واجب ہوتا ہے، اختلاف ائمہ مع الدلیل تحریر کیجیے۔

جواب : ترجمہ : حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صبح کا کھانا نہیں کھاتے تھے اور قیلولہ نہیں کرتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔

عندالائمہ جمعہ کا وقت مع الدلیل :

(۱) امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور جمہور علماء : جمعہ کی نماز زوال شمس کے بعد ہی جائز ہے۔

دلیل : (۱) **عن انس بن مالک ان النبى ﷺ كان يصلى الجمعة حين تميل الشمس .**

(۲) **عن سلمة ابن الاكوع كنا نصلى مع النبى ﷺ ثم ننصرف وليس للحيطان ظل نستظل به.**

(۲) امام احمد : جمعہ کی نماز زوال سے پڑھنا جائز ہے، جیسے کہ زوال کے بعد پڑھنا جائز ہے۔

دلیل : (۱) **حديث انس كنا نبكر بالجمعة ونقيل بعد الجمعة .**

جواب : حافظ ابن حجر فرماتے ہیں : حدیث مبارکہ کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ لوگ جمعہ کی نماز بہت جلدی یعنی زوال شمس سے پہلے پڑھا کرتے تھے، لیکن یہاں پر اس حدیث اور ماقبل کی حدیث میں تعارض واقع ہو رہا ہے اور دفع تعارض میں تطبیق کے طریقہ کو اختیار کرنا بہتر ہوتا ہے۔

تطبیق : یہ بات محقق ہے کہ تبکیر کا اطلاق کسی چیز کو اس کے اول وقت میں کرنے پر ہوتا ہے یا کسی چیز کو اس کے علاوہ پر مقدم کرنے پر ہوتا ہے، اور یہاں پر یہی معنی مراد ہے، اب حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہوا کہ لوگ قیلولہ سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھتے لیکن ان کی عادت عام دنوں میں اس کے خلاف تھی کہ وہ لوگ گرمی کے موسم میں قیلولہ کرنے کے بعد ظہر کی نماز پڑھتے تھے۔

(۲) **عن سهل بن سعد قال ماكنا نقيل ولا نتغدى الابعد الجمعة.**

وجہ استدلال : غدی اور قیلولہ ان دونوں کا محل زوال سے پہلے ہوتا ہے تو حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ جمعہ کی نماز زوال سے پڑھا کرتے تھے۔

جواب : امام نووی وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس حدیث کو مبالغہ فی التعجیل پر محمول کیا جائے گا اب اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ غدی اور قیلولہ اس دن میں جمعہ کی نماز کے بعد تک موخر کرتے تھے اگر وہ لوگ نماز سے پہلے اس میں مشغول ہوتے تو نماز کی تفوت ہونے کا اندیشہ ہوتا یا تبکیر کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوتا۔

کتنے فاصلہ سے جمعہ کا آنا واجب ہے ؟

(۱) بعض کے نزدیک : جو بستی اتنی دور ہو کہ شہر میں جمعہ پڑھ کر سورج غروب ہونے پہلے گھر پہنچ جائے تو اس بستی کے لوگوں پر جمعہ پڑھنے کے لیے آنا ضروری ہے۔

دلیل : **الجمعة على من اٰوه الليل الى اهله .**

جواب : اس حدیث کی سند ضعیف ہے ۔

(۲) شافعی، احمد، اسحاق : جامع مسجد کی اذان کی آواز جس بستی تک پہنچتی ہو وہاں کے لوگوں پر جمعہ فرض ہے۔

دلیل : (۱) **إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة .**

(۲) عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً منقول ہے "انما الجمعة على من سمع النداء"۔

(۳) احناف : محل اقامتِ جمعہ میں رہنے والوں پر جمعہ فرض ہے۔

کتاب العیدین

(جمع وترتیب : مولوی طاہر شیخ)

سوال :(۶۲) خرج یوم الفطر ،فصلی رکعتین لم یصل قبلها ولا بعدها .(بخاری : ۹۸۹)

ترجمہ کیجیے،عید سے قبل یا بعد نفل کا عندالائمہ کیا حکم ہے؟نیز عندالائمہ عید کی نماز کا حکم اور طریقہ مع الادلہ نذرقرطاس کیجیے۔

جواب :ترجمہ : نبی کریم ﷺ عیدالفطر کے دن نکلے،اور دو رکعت نماز پڑھی، نہ اس سے قبل کوئی نماز پڑھی اور نہ اسکے بعد۔

(۱) امام شافعیؒ کے نزدیک عیدین سے قبل اور اسکے بعد نماز پڑھنا مطلقا جائز ہے،البتہ امام کیلئے مکروہ ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثؒ کے نزدیک مکروہ ہے،البتہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ کراہت عیدگاہ میں پڑھنے کی صورت میں ہے،اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عید کے بعد گھر میں کراہت نہیں ہے۔

عید سے قبل یا بعد نفل میں عندالائمہ اختلاف مع الدلائل

(۱) امام ابوحنیفہؒ اور اہل کوفہ: عیدگاہ میں نماز سے قبل اور بعد مطلقا مکروہ ہے اور گھر پر عید سے قبل مکروہ ہے،نماز عید کے بعد درست ہے۔

دلیل : **عن ابی سعیدؓ کان رسول اللہ ﷺ لا یصلی قبل العید شیئا، فإذا رجع الی منزله صلّی رکعتین** (ابن ماجہ:۱۲۹۲)

(۲) امام مالکؒ : عیدگاہ میں مکروہ،گھر میں جائز ہے۔

دلیل : **لا یتطوع فی المصلّٰی قبلها ولا بعدها**

(۳) امام احمد بن حنبلؒ : قبل الصلاۃ مکروہ ہے۔

دلیل: **عن ابن مسعود ....لیس من الشیء الصلاة قبل خروج الامام یو م العید** (المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۹۲)

(۴) امام شافعیؒ : صرف امام کیلئے مکروہ ہے،تمام روایتوں کا تعلق نبی کریم ﷺ سے ہے اور آپ ﷺ امام تھے،اسی طرح بہت سارے صحابہ کرام سے نماز کا پڑھنا منقول ہے۔جیسے حضرت انسؓ،ابن مسعودؓ،رافع بن خدیجؓ،علی بن ابو طالبؓ،اور ابوہریرہؓ۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے عید کی نماز سے قبل اور بعد میں کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔

عید کی نماز کا حکم :

عیدالفطر کی مشروعیت ۲ھ میں ہوئی اور اس سال ماہ شعبان میں صوم رمضان کی۔

(۱) احناف : عیدین کی نماز واجب العین ہے۔

دلیل : **فصل لربک وانحر** .(سورہ کوثر : ۲)

(۲) مالکیہ،شوافع کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

(۳) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔

نماز عید کا طریقہ:

(۱) **امام شافعیؒ،امام مالکؒ،امام احمد،امام اسحٰق اوزاعی :** پہلی رکعات میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ سات (۷) تکبیرات،قبل القرأت،دوسری رکعت میں قبل القرأت پانچ (۵) تکبیرات،رکوع کی تکبیر کے علاوہ۔

☆ امام شافعیؒ کے نزدیک سات (۷) یہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہے۔

☆ امام مالکؒ،امام احمدؒ،امام اسحٰقؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کو سات (۷) تکبیرات میں شمار کیا جائے گا۔

شوافع کا استدلال :

(۱) **ان النبی ﷺ کبر فی العیدین فی الاول سبعا قبل القراء ت وفی الآخرة خمسا قبل القراء ت.** (ترمذی :۵۳۷)

(۲) **عن عائشة : کان النبی ﷺ کبر فی العیدین فی الاولی سبع تکبیرات وفی الثانیة خمس تکبیرات قبل القراء ة** (مسنداحمد:

۲۴۳۷۲۔ المستدرک لحاکم : ۱۱۰۹)

(۳) قال النبی ﷺ التکبیر فی الفطر سبع فی الاول وخمس فی الآخرة والقرأت بعدھا.(سنن ابی داوٗد : ۱۱۵۱)

مالکیہ،حنابلہ نے تکبیر تحریمہ کو سات میں شمار کیا۔

دلیل : مطلق احادیث جس میں صرف سات کا ذکر ہے۔

احناف نے استدلال کیا ابن مسعود کی روایت سے کہ عیدین میں نو (۹) تکبیرات ہیں،پہلی رکعت میں پانچ قبل القرأت،دوسری رکعت میں چار تکبیرات بعد القرأت، تکبیر کے رکوع کے ساتھ۔

دلیل: **کان عبد الله یعلمنا التکبیر فی العیدین تسع تکبیرات خمس فی الاول واربع فی الآخرة ویوالی بین القراء تین .** (مصنف ابن ابی شیبہ : ۵۷۹۷)

پانچ تکبیرات : ایک تکبیر تحریمہ،تین زائد اور ایک رکوع کی۔دوسری رکعت میں چار تکبیرات،رکوع کی تکبیرات کو ملا کر۔

☆ **تکبیرات تشریق** : (۱) عندالاحناف فرض کے بعد واجب ہے،نویں کی فجر سے لیکر ۱۲ کی عصر تک،مصلین بھی پڑھے،چاہے تنہا ہو یا جماعت سے۔

(۲) عندالشوافع سنت ہے،فرائض کے ساتھ ساتھ نفل کے بعد بھی، ۹ سے لیکر ۱۳ کی عصر تک۔

☆ اگر کسی نے خطبہ نماز عید سے قبل پڑھ دیا تو عندالاحناف مع الکراہت ہو جائے گا،لیکن شوافع،حنابلہ کے نزدیک نہیں ہوگا۔

سوال: (۶۳) **فرض رسول الله ﷺ زکاة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعیر علی العبد والحر والذکر والانثی والصغیر والکبیر من المسلمین وامر بھا ان تودی قبل خروج الناس الی الصلاة .**

ترجمہ،عندالائمہ صدقہ فطر کا نصاب کیا ہے،اور صدقہ فطر کی مقدار کیا ہے؟،نیز ابتدائی وانتہائی وقت اور کن افراد پر واجب ہے،مفصلاً تحریر کیجیے۔

جواب :ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ الفطر کو فرض فرمایا ایک صاع کھجور،ایک صاع جو،غلام،آزاد،مرد،عورت،چھوٹے،بڑے مسلمانوں پر،اور اسکو عید کی نماز کیلئے نکلنے سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا۔

صدقہ فطر کے حکم کے سلسلے میں ائمہ کا اختلاف

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صدقہ فطر واجب ہے نہ کہ فرض۔

(۲) ائمہ ثلاث اور جمہورؒ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے۔

(جمع وترتیب : مولوی جابر دلوی)

سوال: (۶۴) **کان رسول الله ﷺ إذا خرج یوم العید فی طریق رجع فی غیره .**

ترجمہ،مخالفت طریق کی حکمتیں،قبل العیدین کھانے کا حکم،اور اسکی حکمت،عیدین میں مسنون سورتیں تحریر کیجیے۔

جواب: جب رسول اللہ ﷺ عید کے دن نکلتے تو ایک راستے سے نکلتے اور دوسرے راستے سے لوٹتے۔

مخالفت طریق کی حکمتیں :

(۱) نبی کریم ﷺ کا عمل ہے لہذا سنت ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے کیا تاکہ دونوں راستے گواہی دے۔

(۳) اسی طرح گلیوں کے جن وانس گواہی دے۔

(۴) شعار اسلام کے اظہار کے لیے۔

(۵) ذکر اللہ کے اظہار کے لیے۔

(۶) تاکہ منافقین اور یہودیوں پر بھاری گزرے۔

قبل العیدین کھانے کا حکم :

جمہور : عیدالفطر کے دن عید کی نماز سے پہلے کھانا سنت ہے اور عیدالاضحیٰ کے دن عید کی نماز پڑھنے کے بعد کھانا سنت ہے۔

دلیل : **كان النبی ﷺ لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الاضحی حتی یصلی .**

حکمت : نبی کریم ﷺ کو روزہ رکھنے کا حکم تھا اور عید کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا اس لئے عید الفطر میں پہلے کھا کر اس کی مخالفت کی گئی، دونوں عیدوں کی اصل عبادت کو سامنے رکھ کر کھایا، عید الفطر کی اصل عبادت فطرہ ہے جو نماز سے پہلے ہے اس لیے آپ ﷺ پہلے کھایا اور عید الاضحیٰ کی اصل عبادت قربانی ہے جو نماز کے بعد ہے، اس لیے عید الاضحیٰ کے موقع پر آپ ﷺ نے بعد میں کھایا۔

نیز رمضان میں شیاطین قید ہوتے ہیں، اور نماز کے بعد آزاد ہوتے ہیں اس لیے عید الفطر میں پہلے کھانے کا حکم دیا گیا۔ اور قربانی سے پہلے کچھ نہ کھانے کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس دن سب سے پہلے قربانی کا ہی گوشت تناول کیا جائے، گویا ایک طرح سے اللہ کی ضیافت میں شرکت مقصود ہے۔

عیدین میں مسنون سورتیں :

(۱) امام شافعیؒ : پہلی رکعت میں سورۃ قاف اور دوسری رکعت میں سورۃ قمر یا سورہ اعلی پہلی رکعت میں اور سورہ غاشیہ دوسری رکعت میں یا سورہ کافرون پہلی رکعت میں اور سورہ اخلاص دوسری رکعت میں۔

(۲) امام ابوحنیفہ اور امام احمد : پہلی رکعت میں سورہ اعلی اور دوسری میں سورہ غاشیہ۔

(۳) امام مالک : پہلی رکعت میں سوری اعلی اور دوسری رکعت میں سورہ شمس۔

کتاب الوتر

(جمع وترتیب : مولوی عاقب ورڈکر)

سوال : (۶۵) عن علیؓ : الوتر لیس بحتم کصلاتکم المکتوبة ولکن سن رسول اللهﷺ وقال ان الله وتر یحب الوتر فأوتروا یا اهل القرآن . (ترمذی : ۴۵۳ حدیث علی حدیث حسن صحیح)

ترجمہ،عندالائمہ وتر واجب یا سنت ہے؟مفصل ومدلل بیان کیجیے۔

جواب: ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وتر تمھارے فرض نمازوں کی طرح حتمی نہیں ہے،لیکن رسول اللہﷺ نے سنت کہا ہے،اور فرمایا:اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتے ہیں،اے اہل قرآن!تم وتر پڑھو۔

قال فی النهایة : الحتم اللازم الواجب الذی لا بد من فعله .

(۱) ائمہ ثلاث،جمہوراور صاحبین من الحنفیہ : وتر کی نماز سنت مؤکدہ ہے

دلائل : مذکورہ حدیث : (۱)اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے وتر کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے اسلئے کہ حضرت علیؓ نے وتر کے واجب ہونے کی نفی کی ہے اورروایت میں سن کالفظ وجوب کی نفی کررہا ہے کیونکہ دیگرروایات میں بھی سنت کی صراحت ہے۔

(۲) **عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ : یاأهل القرآن ،اوتروا فان الله وتر یحب الوتر .**(ابوداوٗد : ۱۴۱۶ ص : ۲۰۰)

(۳) جس روایت سے ثابت ہے کہ معراج کا واقعہ میں پانچ نمازیں فرض کی گئی اور"**لا یبد ل القول لدی** "کے ذریعے بتلایا گیا کہ اب اس میں کمی زیادتی نہ ہوگی۔(صحیح بخاری : ۳۴۷ فتح الباری :۳۴۹)

(۴) حضرت معاذؓ کی روایت: آپﷺ نے وصال سے پہلے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو صرف پانچ فرض نمازوں کی وصیت فرمائی۔
(صحیح بخاری : ۱۳۴۷ فتح الباری : ۱۴۵۸)

(۵) حضرت طلحہؓ کی مفصل روایت جس میں سائل نے پوچھا تھا،تو اسکے جواب میں فرمایا کہ **خمس صلوات فی الیوم واللیلة** پھر پوچھا،کہ **هل علی غیرها؟** نبی کریمﷺ نے فرمایا: **لاَ ، إلاأن تطوع.** (صحیح بخاری : ۴۶ ص : ۱۱)

(۶) حضرت ابن عمرؓ سے ایک سائل نے وتر کے بارے میں سوال کیا،**أواجب هو ؟** (کیا وہ واجب ہے؟)تو جواب میں فرمایا"**قد أوتر رسول الله ﷺ وأوتر المسلمون ....**"اس سے بھی سنیت کی صراحت ہوتی ہے۔

(۷) ایک شخص نے دعوی کیا کہ ابومحمد کہتے ہیں: **إن الوتر واجب** (کہ وتر واجب ہے) عبادہ بن صامت سے پوچھا گیا،توفرمایا: **کذب ابو محمد** (ابومحمد نے جھوٹ کہا)**سمعت رسول الله ﷺ یقول : خمس صلوات کتبهن اللّٰہ تعالی علی العباد ......**
(المؤطاامام مالک :کتاب : ۷ باب الامام بالوتر :۱۴ ص : ۷۷/۷۸ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ سنن ابوداوٗد : ۱۴۲۰ ص : ۲۰۰)

(۸) **عن ابن عمرؓ انه قال : کان رسول الله ﷺ یوتر علی راحلته** (صحیح مسلم:ص:۲۴۴)

عن ابن عمرؓ قال : کان رسول الله ﷺ یسبح علی الراحلة قِبَلِ ای وجه توجه ویوتر علیها،غیر انه لا یصلی علیها المکتوبة (صحیح مسلم:ص :۲۴۴۔ صحیح بخاری : ۹۹۰ فتح الباری : ۱۰۰۰ ص : ۱۳۶)

جمہور نے حدیث ابن عمرؓ سے وتر کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے اوراحادیث سے عدم وجوب پر دلالت ہوتی ہے،اور سواری پر وتر پڑھنا وتر کی سنیت ہونے کی دلیل ہے،اسلئے کہ فرض نماز سواری پر پڑھنا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

(۹) **عباده بن صامت : الوتر امر حسن جمیل عمل به النبی ﷺ والمسلمون من بعد،ولیس بواجب .**(سنن کبری للبیهقی :۴۱۳۸)

احناف کہتے ہیں کہ یہ فرض نہیں ہے، بلکہ واجب ہے۔

جواب :علامہ شاکرؒ نے تعلیقات ترمذی میں تردید کہ ہیکہ وتر کے حکم سے وتر کے وجوب کا زعم کرتے ہیں،لیکن تردید کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ فرض تو پانچ ہی ہے ،اور فرض اور واجب میں فرق کرنا اسکی کوئی دلیل نہیں ہے،کیونکہ دیگر روایت میں سنت کی صراحت ہے۔

ان مختلف ادلہ سے وتر کے سنت ہونے پر دلالت ہوتی ہے

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ : نماز وتر واجب ہے

دلائل :

(۱) **عن عبد اللهؓ عن النبی ﷺ قال اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وترا.** (صحیح بخاری:۹۸۸ فتح الباری:۹۹۸)

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم اپنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ۔ اس روایت میں ''اجعلوا'' امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

جواب :اگر امر وجوب کے لئے ہو تو پھر صلاۃ اللیل بھی واجب ہونا چاہیے، اور ''اجعلوا'' کا تعلق آخر لیل سے ہے، تو وتر بھی آخری رات میں پڑھو، لیکن احناف کا اس پر عمل نہیں ہے۔

(۲) حضرت بریدہؓ کی حدیث : **الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا وأعاد ذلك ثلاثا.** (سنن ابی داؤد : ۱۴۱۹ ص:۲۰۱)

جواب : حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں کلام ہے اسکی سند میں ابوالمنیب ہے، اور اسمیں ضعف ہے، اگر صحیح بھی ہو تو ''حق'' تاکید کے لئے آتا ہے۔(فتح الباری : ۱۱۱۳/۱ حدیث نمبر:۹۹۶/۹۹۵ کے تحت)

(۳) **اخرجه البزار عن ابن مسعود : الوتر واجب على كل مسلم.** (مسند بزار : ۱۶۳۷)

جواب : حافظ صاحبؒ اور صاحب تحفہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت کمزور ہے، کیونکہ اس حدیث میں راوی جابر جعفی ضعیف ہے، اور واجب کا لفظ ہے، تو ہر جگہ اس کو واجب شرعی پر محمول کرنا ضروری نہیں، جیسے کہ جمعہ کے غسل کے بارے میں واجب کو شرعی معنی پر محمول نہیں کیا گیا ہے۔

(۴) **ان الله أمدكم بصلاة هي خير لكم من حمر النعم ،الوتر جعله الله لكم فيما بين صلاة العشاء الى ان يطلع الفجر .**

(ترمذی : ۴۵۲ سنن ابی داؤد : ۱۴۱۸ ص : ۲۰۱)

اس روایت سے استدلال اس طرح ہے کہ ''أمد'' ''زاد'' کے معنی میں ہے اور اصل بات یہ ہے کہ مزید، مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے۔ چنانچہ وتر کو بڑھا دیا گیا، تو متعین عدد یعنی فرض میں بڑھا دیا گیا، لہذا یہ بھی فرض ہے۔

جواب : یہ استدلال قوی نہیں ہے کیونکہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مزید، مزید علیہ کی جنس سے ہو، یہ ضروری نہیں، اس کو ایک مثال کے ذریعے سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے کسی سے دس روپئے کی ایک چیز خرید لی اور میں خوشی سے اسکو بارہ روپئے دے رہا ہوں تو اصل دس واجب اور دو خوشی سے ہے۔ اور اسکی مثال حدیث میں بھی ملتی ہے، کہ جمل جابر کے واقعہ میں قیمت طے ہوئی تھی، لیکن آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا: زیادہ دے دو، تو بلالؓ نے جو زیادہ رقم دی ہے وہ قیمت میں داخل نہیں ہے۔ **والله أعلم بالصواب .**

سوال : (۲۶) عن سعيد بن يسار قال كنت مع ابن عمر فى سفر فتخلفت عنه فقال اين كنت فقلت اوترت فقال اليس لك فى رسول الله أسوة حسنة رأيت رسول الله ﷺ يوتر على راحلته. (ترمذی : ۴۷۲ ص: ۱۰۸ قال ابوعیسی :حدیث ابن عمر حدیث حسن صحیح۔صحیح بخاری: ۹۸۹ ص : ۱۳۶)

ترجمہ، تعداد رکعت وتر، سواری پر وتر، نقض وتر کے متعلق مذاہب ائمہ تحریر کریں۔

جواب : ترجمہ : حضرت سعید بن یسارؒ سے روایت ہے کہ میں ابن عمرؓ کے ساتھ ایک سفر میں تھا، پھر میں وتر پڑھنے کے لئے ان سے پیچھے رہ گیا (لاجل الوتر بالنزول عن المرکب۔ترمذی بین السطور) تو ابن عمرؓ نے کہا کہ آپ کہاں تھے تو میں نے کہا، میں نے وتر پڑھی، تو ابن عمرؓ نے فرمایا، کیا آپ کے لئے رسول اللہ ﷺ بہترین نمونہ نہیں ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو سواری پر وتر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

وتر علی الراحلۃ (سواری پر وتر پڑھنے کا حکم)

(۱) ائمہ ثلاثہؒ : سواری پر وتر پڑھنا جائز ہے۔(المجموع : ۲۱/۴ ط : دار الفکر)

دلیل :(۱) مذکورہ روایت دلیل ....**رأيت رسول الله ﷺ يوتر على راحلته.**

(۲) **قال ابن عمرؓ كان رسول الله ﷺ يسبح على الراحلة قبل اى وجه توجه ويوتر عليها غير انه لا يصلى عليها المكتوبة.** (بخاری : ۱۰۸۷ ص : ۱۴۸)

(۳) **عن نافع قال كان ابن عمر يصلى على راحلته ويوتر عليها ويخبر ان النبى ﷺ كان يفعله** (بخاری : ۱۰۸۴ ص:۱۴۸)

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ : وتر سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دلیل : ابن عمرؓ کا عمل: **أنه كان يصلي على راحلته ويوتر على الارض ويزعم ان رسول الله ﷺ كان يفعله كذلک** (حضرت ابن عمرؓ تہجد سواری پر پڑھتے اور وتر زمین پر پڑھتے تھے اس خیال سے کہ آپ ﷺ اسی طرح کرتے تھے)

جواب : اسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ بیان جواز کے لئے ہے، عند الشوافع بھی زمین پر پڑھنا جائز ہے۔

تعداد رکعات وتر:

(۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ : وتر تین (۳) رکعات متعین ہے، وہ ایک سلام سے پڑھی جائے گی، اسکے علاوہ جائز نہیں ہے۔

دلائل : (۱) **عن علیؓ كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث** (ترمذی ص : ۱۰۶)

(۲) **عن عبد العزيز بن جريج قال سألت عائشة بأى شيئٍ كان يوتر رسول الله ﷺ قالت كان يقرأ فی الأولى بسبح اسم ربک الأعلى وفی الثانية بقل ياايها الكافرون وفی الثالثة بقل هوا لله احدو المعوذتين** (ترمذی ص:۱۰۶)

(۲) ائمہ ثلاثہؒ : وتر ایک سے لیکر سات رکعات تک جائز ہے، اور عند الشوافع ۱۳ بھی جائز ہے، اور عندنا ۱۱ تک گنجائش ہے، اور یہی زیادہ راجح ہے، امام سبکیؒ نے ۱۳ کہا ہے، مگر وہ مرجوح ہے۔ (المجموع ۱۲/۴ ط: دار الفکر) اور وصلا و فصلا دونوں طریق سے جائز ہے۔

دلائل : (۱) **الوتر ركعة واحدة** (نسائی ص:۱۹۰)

(۲) **يوتر بثلاث ركعات** (نسائی ص:۱۹۱)

(۳) **الوتر حق على كل مسلم فمن احب ان يوتر بخمس فليفعل ،ومن احب ان يوتر بثلاث فليفعل ومن احب ان يوتر بواحد فليفعل** (ابوداؤد ص:۲۰۱)

(۴) **كان رسو ل الله ﷺ يوتر بخمس وبسبع لايفصل بينها السلام ولا بكلام** (نسائی ص:۱۹۲)

(۵) **لاتواتروا بثلاث تشبهوا بالمغرب ولكن اوتروا بخمس اوبسبع او بتسع او احدى عشرة ركعة او اكثر من ذلک** (السنن الکبری للبیہقی :۴۸۱۶۔ المستدرک علی الصحیح للحاکم :۱۱۳۷)

نقض وتر کا مسئلہ:

طریقہ: اگر کسی نے رات میں وتر کی نماز پڑھ لی، اسکو تہجد پڑھنا ہے، تو پڑھ لے اور آخر میں وتر پڑھ لے لیکن اس سے دو مرتبہ وتر ہوگی، ایک اور روایت میں اسکی ممانعت ہے۔ اور ایک طریقہ یہ ہے کہ سونے سے پہلے جو وتر پڑھی تھی، اسکو ایک رکعت پڑھ کر توڑ دو اسکو نقض وتر کہتے ہیں۔

نقض کے قائلین:

حكاه ابن المنذر عثمان بن عفان وعلى وسعد ابن عمر وابن عباس وعمرو بن ميمون وابن سيرين واسحاق رضی اللہ عنہم

دلیل : حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ جب میرا ارادہ ہوتا ہے کہ میں تہجد کے لئے اٹھ جاؤں گا، تو سونے سے پہلے ایک رکعت پڑھکر سوتا ہوں، پھر صبح اٹھکر اور ایک رکعت پڑھتا ہوں، تو دو ہوئی اور وتر ختم ہوئی، پھر صلاۃ اللیل پڑھتا ہوں پھر آخیر میں ایک رکعت پڑھتا ہوں۔ تو یہاں پر "**لا وتران فی ليلة**" اور **اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وترا** بھی ہوگیا۔

عدم نقض کے قائلین :

ائمہ اربعہ (العرف الشذی ترمذی ص:۱۰۷) قاضی عیاض نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے : **حكاه ابن منذر ابوبكر صديق ، وسعد وعمار بن ياسر وابن عباس وعائذ بن عمرو وعائشه وطاؤس وعلقمه النخعی وابو مجلذ واوزاعی ومالک واحمد وابی ثور وشافعی** رضی اللہ عنہم (المجموع : ۲۴/۴، ۲۵ ط : دار الفکر)

دلیل : **طلق بن علیؓ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا وتران فی ليلة** (ترمذی ص:۱۰۷) **قال ابو عيسى : هذا حديث حسن غريب**

جواب : نقض کے قائلین کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جو نقض وتر کے قائل ہیں ان کے اعتبار سے تین (۳) مرتبہ وتر پڑھنا لازم آئے گا، رات میں سونے سے پہلے، اور اٹھنے کے بعد ایک رکعت، پھر صلاۃ اللیل کے بعد ایک رکعت، جبکہ روایت میں دو (۲) مرتبہ سے منع کیا گیا ہے، اگر تم یہ سب اسلئے کر رہے ہو کہ آخر میں ایک رکعت ہو تو

یہ حکم جو روایت میں ہے وہ مستحب ہے (اجعلوا فی آخر صلوتکم الوتر) اور دوسری بات یہ ہے کہ توڑنے کا سوال اس وقت ہوگا، جبکہ ایک ساتھ ہو لیکن یہاں پر دونوں علیحدہ علیحدہ ہے تو وتر ختم کیسے ہوا۔

اور بعض صحابہؓ نے کہا کہ جب پہلے وتر پڑھ لی تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قال الترمذی : عدم نقض کے قائلین کی بات زیادہ راجح ہے کیونکہ آپ ﷺ نے وتر کے بعد دوسری نماز پڑھی ہے، نقض وتر نہیں کیا، بعض نے انکار کیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے آخیر میں وتر کا حکم دیا ہے، لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں صحیح روایات سے ثابت ہے کہ وتر کے بعد آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے، ممکن ہے کہ بیان جواز کے لئے ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال : (۶۷) عن عبد الله بن عمر انه كان رسول الله يوتر على راحلته . (مسلم:۲۴۴/۱)

ترجمہ، وصلا وفصلا بین رکعات وتر کے متعلق مذاہب مختلفہ کو مفصلا پیش کرے، نیز قنوت فی الوتر اختلاف مذاہب مع دلائل پیش کریں۔

جواب : ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر وتر پڑھتے تھے۔

وصلا وفصلا بین رکعات وتر کے متعلق مذاہب مختلفہ:

(۱) احناف : وتر وصل کے ساتھ ہی جائز ہے۔ (یعنی وتر ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھے، درمیان میں کوئی سلام نہیں ہے۔ (المجموع :۲۴/۴))

(۲) ائمہ ثلاثہؒ: وتر میں فصل ہے۔ (یعنی نماز وتر دو سلام کے ساتھ ہے)

امام شافعیؒ کے نزدیک وصلا وفصلا دونوں طریق سے جائز ہے۔ ایک سے زائد ایک ہی سلام سے پڑھنا ہو تو: (۱) یا تو صرف آخری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے (۲) یا آخری رکعت سے پہلے والی رکعت میں تشہد اول کے طور پر بیٹھے پھر اٹھ کر آخری رکعت پڑھ کر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر لے، دو تشہد سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ (۳) ہر دو رکعت پر تشہد پڑھ کر سلام پھیرتا ہے اور آخر میں ایک رکعت پڑھ لے تو یہ بھی صحیح ہے۔

فصل (یعنی ہر دو رکعت پر سلام پھیر کر آخیر میں ایک رکعت تنہا پڑھنا) وصل (یعنی ایک ہی سلام سے ساری رکعتیں پڑھنے سے) افضل ہے۔

مثال: (۱) اگر پانچ رکعات ایک سلام سے پڑھنا ہے تو صرف پانچویں رکعت پر تشہد کے لیے بیٹھے۔

(۲) یا چوتھی اور پانچویں رکعت پر تشہد کیلیے بیٹھے۔

(۳) یا دو رکعت پر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے پھر دو رکعت پر سلام پھیرے، پھر ایک رکعت پڑھے، اسی طرح دیگر رکعتوں کو بھی قیاس کرلو۔

(تحفۃ المحتاج وغیرہ، مأخوذ : تحفۃ الباری :۲۰۲/۱، ۲۰۱، دیکھیے: تفصیل کے لیے المجموع:۱۳/۴، ۱۲)

قنوت فی الوتر، اختلاف مذاہب مع دلائل:

ائمہ ثلاثہ : وتر میں قنوت رمضان کے نصفِ آخر میں مستحب ہے۔

دلائل : (۱) عن انسؓ قال : كان رسول الله ﷺ يقنت في النصف من رمضان إلى آخره .

نبی کریم ﷺ رمضان المبارک میں نصف رمضان سے وتر میں دعاء قنوت پڑھا کرتے تھے۔ (سنن بیہقی:۴۹۹/۲، مأخوذ: تراویح سنت کے مطابق پڑھیے: ۹۹)

(۲) عن علی بن ابی طالبؓ انه كان لا يقنت الا فی النصف الآخر من رمضان و كان يقنت بعد الركوع (ترمذی:۱۰۶/۱)

(۳) ابن عمرؓ کا اثر منقول ہے'' انه كان لايقنت إلافی النصف يعنی رمضان ''(مصنف ابن ابی شیبہ:۳۰۵/۲)

امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی ایک روایت : وتر میں قنوت پورے سال مستحب ہے۔ (المجموع :۲۴/۴، ۱۲، ۱۱)

دلائل : (۱) عن ابی بن كعب ان النبی ﷺ كان يوتر بثلاث ركعات ويقنت قبل الركوع (سنن نسائی:۱۶۹۹)

(۲) قال الحسن بن علیؓ : علمنی رسول الله ﷺ كلمات أقولهن فی الوتر ...الخ (ترمذی:۱۰۶/۱)

(۳) ابن مسعودؓ کے بارے میں ہے کہ "القنوت فی الوتر فی السنة كلها واختار القنوت قبل الركوع "(یعنی وہ وتر میں پورے سال قنوت پڑھتے تھے) (ترمذی :۱۰۶/۱)

امام مالکؒ : وتر رمضان کے پورے مہینے میں مستحب ہے۔ (المجموع :۱۵/۴)

سوال :(۶۸)عن ابی سعید الخدری ؓ قال :قال رسول الله ﷺ : من نام عن الوتر او نسیه فلیصل اذا ذکر واذاستیقظ.(ترمذی :۱۰۶/۱)

ترجمہ، وتر واجب ہے یا سنت؟اور وتر کی قضاء کب کی جائے؟

جواب :ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں ک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وتر سے سو جائے یا بھول جائے تو وہ نماز وتر پڑھ لے جب یاد آجائے اور جب بیدار ہو۔

وتر کی قضاء مشروع ہے یا نہیں؟

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وتر کی قضاء مشروع ہے۔(اوجز المسالک :۶۵۶/۲،تحفۃ الاحوذی:۴۸۹/۲)

وتر کی قضاء کب کرے؟ اسمیں اختلاف ہے:

(۱) امام مالکؒ،امام شافعیؒ،امام احمدؒ اور اسحاق بن راہویہؒ : وتر کی قضاء اس وقت تک کر سکتے ہیں جب تک صبح کی نماز نہ پڑھے (یعنی وتر کی قضاء صبح کی نماز کے بعد نہ کرے)

(۲) وتر کی قضاء رات و دن میں کبھی بھی کر سکتے ہیں۔ وھوالذی علیہ فتوی الشافعیۃ (یعنی حضرات شوافع کا اسی پر فتوی ہے)(اوجز المسالک:۶۵۶/۲)

وتر کی قضاء واجب ہے یا سنت؟

احناف : وتر کی قضاء واجب ہے۔(تحفۃ الاحوذی :۴۹۲/۲)

دلیل: (۱) من نام عن الوتر او نسیه فلیصل اذا ذکر واذاستیقظ.(اس حدیث میں ’’فلیصل‘‘ کا ذکر آیا ہے جو کہ وجوب پر دلالت کرتا ہے)

(۲) جب وتر کی نماز واجب ہے تو اسکی قضاء بھی واجب ہے۔

امام شافعیؒ : وتر کی قضاء سنت ہے

دلیل: (۱) وتر سنت ہے تو اسکی قضاء بھی سنت ہے۔

(۲) آپ ﷺ جب صلاۃ اللیل کو چھوڑتے تو دوسرے دن صرف بارہ (۱۲) رکعات صلاۃ اللیل پڑھتے ،اس میں وتر کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

از : طلبۂ دورۂ حدیث
۱۴۳۶/۳/۲۷ھ ۲۰۱۵/۱/۱۶ء

کتاب سجود القرآن

(جمع وترتیب :مولوی حذیفہ پٹیل)

سوال:(۶۹) (۱)**عن زید بن ثابتؓ قال : قرأت علی النبی ﷺ والنجم فلم یسجدفیها.** (صحیح بخاری:۱۰۷۳)

(۲)**عن عبد اللهؓ عن النبی ﷺ أنه قرأ (والنجم)فسجد بها وسجد من معه غیر أن شیخااخذ کفا من تراب فرفعه إلی جبهته فقال یکفینی هذا ،قال عبدالله فلقد رأیته بعد قتل کافرا.** (بخاری:)

ترجمہ، نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ عندالائمہ قرآن میں تلاوت کے کل سجدوں کی تعداد، اختلافی سجدوں کی نشاندہی مع الادلہ،عندالائمہ سجدہ تلاوت کاحکم مع الادلہ مفصلاتحریر کیجیے،عندالشافعی نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کا کیاحکم ہے؟ مذکورہ موقع پر مشرکین مکہ کے سجدہ کرنے کی وجہ کے سلسلے میں علماء کے اقوال۔

جواب :ترجمہ : (۱) حضرت زید بن ثابتؓ سے منقول ہے،فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے سورہ نجم پڑھا،آپ ﷺ نے اسمیں سجدہ نہیں کیا۔

(۲) حضرت عبداللہؓ سے منقول ہے وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورہ نجم پڑھی اوراس میں سجدہ کیا،اورآپ ﷺ کے ساتھ والوں نے سجدہ کیا،سوائے ایک بوڑھے کے کہ اس نے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اوراسے اپنی پیشانی کی طرف بلند کیااورکہا: میرے لیے اتنا کافی ہے،حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں: میں اس کواس کے بعد دیکھا کہ وہ بحالت کفرقتل کیا گیا۔

☆

نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیوں نہیں کیا،اس میں شراح نے بہت سارے احتمالات پیش کیے ہیں۔

(۱) نبی کریم ﷺ بلاوضو تھے۔ (۲)وقت کراہت تھا۔ (۳)اسلیے کے قاری نے سجدہ نہیں کیا تھا۔ (۴)بیان جواز کے لیے،ان توجیہات میں آخری توجیہ راجح ہےاورشوافع نے یہی بیان کیا ہے۔

سجدہ تلاوت کی تعداد میں اختلاف:

عندالشوافع	:	کل سجدے چودہ(۱۴) ہیں۔
عندالاحناف	:	کل سجدے چودہ(۱۴) ہیں۔
عندالحنابلہ	:	کل سجدے پندرہ(۱۵) ہیں۔
عندالمالکیہ	:	کل سجدے گیارہ(۱۱) ہیں۔

اختلافی سجدے:اختلافی سجدے:

عندالشوافع سورۂ صاد کاسجدہ سجدۂ شکر ہے۔عندالاحناف سورۂ حج کے دوسجدوں میں سے آخری سجدہ سجدۂ تلاوت نہیں ہے،مگرسورۂ صاد کا سجدہ سجدۂ تلاوت ہے۔

امام شافعی سورۂ ''ص'' کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ ''**قال : رأیت رسول الله ﷺ یسجد فی ''ص'' قال ابن عباس : ولیست من عزائم السجود**''۔

رہا سورۂ حج کا دوسرا سجدہ،سواسکے بارے میں امام شافعیؒ ترمذی میں حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: ''**قلت : یارسول الله ! فضلت سورة الحج**''۔

سجدۂ تلاوت کاحکم:

ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت مسنون ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔

ائمۂ ثلاثہ کااستدلال:

''**عن زید بن ثابتؓ قال: قرأت علی النبی ﷺ ''والنجم'' فلم یسجد فیها**''۔

احناف کااستدلال:

وہ تمام آیات سجدہ ہیں جن میں صیغۂ امر وارد ہوا ہے۔فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں آیات سجدہ تین حالتوں سے خالی نہیں ؛ یاان میں سجدے کا امر

ہے یا کفار کے سجدے سے انکار کرنے کا ذکر ہے یا انبیاء کے سجدے کی حکایت ہے اور امر کی تعمیل بھی واجب ہے اور کفار کی مخالفت بھی واجب ہے اوت انبیاء کی اقتداء بھی۔

عند الشوافع نماز میں آیت سجدہ پڑھنا جائز ہے

مذکورہ موقع پر مشرکین مکہ کے سجدہ کرنے کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ جیسے:

(۱) مشرکین نے اپنے معبودوں کے ناموں کو سنا جسکی وجہ سے سجدے میں گر پڑے۔

(۲) ان کے سامنے اللہ کی قدرت اور طاقت کا غلبہ اور انوار عظیمہ کا غلبہ ظاہر ہوا اسلئے سجدے میں گر پڑے۔

(۳) ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی صداقت ظاہر ہوگئی، یہاں تک کہ ان کو کوئی شک نہیں رہا۔

از : طلبۂ دورۂ حدیث
۱۴۳۶/۳۷ھ ۲۰۱۵/۱۶ء

کتاب تقصیر الصلاۃ

(مولوی محسن گلی)

سوال : (۷۰) (۱)**عن ابن عباسؓ قال : صلی النبی ﷺ سبعا جمیعا و ثمانیا جمیعا.**

(۲)**سافرت مع النبی ﷺ وابی بکر وعمر وعثمان فکانوا یصلون الظهر والعصر رکعتین لایصلون قبلها ولا بعدها .**

ترجمہ،عندالائمہ قصر فی السفر مع الادلہ،ابن عمرو دیگر صحابہ سے نفل فی السفر بھی وارد ہے،دریں صورت رفع تعارض کی کیا شکل ہوگی؟ نیز عندالائمہ نفل فی السفر کا کیا حکم ہے؟ائمہ کرام نے اس حدیث کی کیا توجیہات کی ہے؟عندالائمہ الجمع بین الصلاتین فی الحضر ،فی السفر ،فی المطر اور فی المرض کا کیا حکم ہے؟

جواب :ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سات رکعت ایک ساتھ پڑھی اور آٹھ رکعت ایک ساتھ پڑھی۔

جمع بین الصلاتین کا اختلاف :

اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ بغیر عذر کے جمع بین الصلاتین فی الحضر حقیقی جائز نہیں،البتہ عندالائمہ الثلاث عذر کی صورت میں جائز ہے،مثلا سفر مرض یا مطر کی وجہ سے ہو۔

البتہ عذر کی تفصیل میں ائمہ میں اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعی،امام احمد،اسحاق جمع بالمطر وجمع بالسفر جائز ہے۔اور امام احمد اور اسحاق کے نزدیک سفر ومطر کے علاوہ مرض کی وجہ سے بھی جمع جائز ہے،شوافع کا اصح مسلک نفی کا ہے،جمع مطر کی وجہ سے ہوتی ہے،دوسرا عذر ہو تو جمع نہ کرے۔آپ ﷺ کے زمانے میں لوگ بیمار رہتے تھے لیکن آپ ﷺ نے کبھی جمع نہ کیا،صرف سفر ومطر کی روایات موجود ہیں۔(کتاب الام)البتہ اصحاب شوافع کی ایک جماعت قائل ہے کہ اگر زیادہ بیمار ہے تو تقدیم وتاخیر کی صورت میں جمع کرسکتا ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہ،حسن بصر،ابراہیم نخعی، : جمع حقیقی صرف ایام حج میں درست ہے۔اسکے علاوہ کہیں بھی درست نہیں،البتہ جمع صوری کی اجازت ہے۔

(۳) ابن سیرین،ربیعۃ الرای،اہل حدیث کی ایک جماعت بغیر عذر کے بھی جمع درست ہے،بشرطیکہ اس کو عادت نہ بنائے۔

دلیل : ابن عباسؓ کی روایت۔

جمع حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ وقت کے اعتبار سے ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا کرنا،جمع صوری کا مطلب یہ ہے کہ پہلی نماز کو اس کے بالکل آخیری وقت میں ادا کیا جائے اور دوسری نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کیا جائے اس طرح دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا ہونگی لیکن ایک ساتھ ہونے کی وجہ سے صورۃ جمع بین الصلاتین کہہ دیا گیا ہے۔

قصر فی السفر

(۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک قصر واجب ہے۔

دلیل : **صلاۃ السفر رکعتان تمام غیر قصر علی لسان محمد**(مسلم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی دو رکعتیں تخفیف کی بناء پر نہیں بلکہ اپنے فریضۂ اصلیہ پر جمعہ وعیدین کی طرح ہے۔

(۲) امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قصر افضل ہے۔

(۳) امام شافعی کے نزدیک اتمام افضل ہے۔

دلیل : **فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ .**

یہ اباحت کے لئے استعمال ہوتا ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔

الاختلاف فی مدۃ القصر :

(۱) ائمہ ثلاثہ : چار دن اقامت کی نیت سے مسافر مقیم ہوجاتا ہے یعنی اقامت کا پختہ ارادہ کرے تو اتمام کرے گا۔

دلیل : **إذا قام اربعا صلی اربعا**

(۲) امام ابوحنیفہ کے نزدیک پندرہ دن اقامت کی نیت سے مسافر مقیم ہوجائے گا۔

دلیل : **من اقام خمسة عشر یوما اتم الصلاۃ .**

کتاب العمل فی الصلاۃ

(جمع وترتیب : مفتی زبیر پورکر)

سوال :(۷۱) إن رسول الله ﷺ جلس (یعنی للتشهد)فافترش رجله الیسری ،وأقبل بصدر الیمنی علی قبلته،ووضع کفه الیمنی علی رکبته الیمنی،وکفه الیسری علی رکبته الیسری،وأشار بأصبعه یعنی السبابة.(ترمذی : ۲۹۳)

ترجمہ، مذکورہ اشارے کا وقت، اشارہ کی کیفیت اور تحریک سبابہ فی التشہد، ان مسائل کو مفصلا لکھیے ۔

جواب :ترجمہ: رسول اللہ بیٹھے یعنی تشہد کے لئے تو آپ ﷺ نے اپنے بائیں پیر کو بچھایا، اور اپنے سینے کو قبلہ کی طرف کیا اور اپنی داہنی ہتھیلی کو اپنے داہنے گھٹنے پر رکھا اور بائیں ہتھیلی کو بائیں گھٹنے پر رکھا اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

مذکورہ اشارہ کا وقت :

صاحب تحفۃ الاحوذی نے امام نوویؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام نووی فرماتے ہیں:

یشیر عند قوله : إلاالله من الشهادة . کہ آدمی اشہد ان لا الہ اللہ پڑھتے وقت الا اللہ پر اشارہ کرے۔(تحفۃ الاحوذی: ۱۶۶/۲۔ط: دار الفکر)

اشارہ کی کیفیت:

صاحب تحفۃ الاحوذی نے اشارہ کی تین کیفیات لکھی ہیں۔

(۱) خنصر، بنصر اور وسطیٰ کو بند کریں، اور مسبحہ کو کھلی رکھے اور ابہام کو مسبحہ سے ملائے۔

(۲) خنصر اور بنصر کو بند کریں، اور ابہام اور وسطیٰ سے حلقہ بنائے۔

(۳) تمام انگلیوں کو بند کریں اور سبابہ سے اشارہ کریں۔(تحفۃ الاحوذی : ۶۵/۲)

تحریک سبابہ فی التشہد

(۱) ائمہ ثلاثہؒ : عدم تحریک کے قائل ہیں۔

دلیل : عن عبد الله بن الزبیرؓ قال کان النبی ﷺ یشیر بأصبعه اذادعاولایحرکها.(ابوداؤد :۹۸۹)

حکم حدیث: قال النوویؒ : اسناده صحیح

(۲) امام مالکؒ : تحریک سبابہ کے قائل ہیں۔

دلیل :**عن وائل بن حجرؓ قال فی صفة صلوٰةرسول الله ﷺفقام ....ثم قعدفافترش رجله الیسری ووضع کفه الیسری علی فخذه ورکبته الیسری وجعل حدمرفقه الایمن علی فخذیه الیمنی ثم قبض اثنتین من اصابعه ،فحلق حلقة ثم رفع فرأیته یحرکهایدعوبها.**(نسائی : ۱۲۶۹)

ترجیح

ائمہ ثلاثہؒ نے جو روایت بطور دلیل پیش کی ہے وہ سنداً صحیح اور قابل احتجاج ہے، اور امام مالکؒ کی روایت میں ایک راوی عاصم بن کلیب ہے، عاصم بن کلیب سے یہ روایت بارہ (۱۲) سندوں سے ثابت ہے جن میں صرف ایک سند میں زائدہ بن قدامہ نے لفظ ''یحرکها'' کی زیادتی میں تفرد اختیار کیا ہے، زائدہ بن قدامہ کے علاوہ کوئی بھی لفظ ''یحرکها'' کی زیادتی کو بیان نہیں کرتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زائدہ بن قدامہ کی سند سے مروی استدلال کرنا باوجود یہ کہ اسکے بالمقابل صحیح روایت موجود ہے، صحیح اور درست نہیں ہے۔

جمع وتطبیق :

امام بیہقیؒ نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جس روایت میں یحرکها کا لفظ آیا ہے، احتمال ہے کہ وہاں تحریک سے مراد اشارہ ہو، نہ کہ تحریک میں تکرار۔ اگر ہم یہ معنی مراد لیتے ہیں تو یہ روایت اس روایت کے معارض نہیں جس میں ''لا یحرکها'' آیا ہے، اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائیگا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتاب السهو

(جمع وترتیب: مولوی معین الدین کونڈویلکر)

سوال : (۷۲) **إذ اصلی احدکم فلم یدر کیف صلی فلیسجد سجدتین ....**

قام فی صلاة الظهر وعلیه ....

ترجمہ، مسئلہ مذکورہ کے بارے میں عندالائمہ کیا حکم ہے؟ سجدۂ سہو کے محل کے متعلق مذاہب ائمہ، قعدہ اولی کو ترک کر کے قیام میں پہنچنے کے بعد عود الی القعود کا عندالائمہ کیا حکم ہے؟

جواب :

مسئلہ مذکورہ کے بارے میں عندالائمہ کیا حکم:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

(۱) ائمہ ثلاثہؒ : اگر مصلی کو رکعتوں کے تعداد کے بارے میں شک ہو جائے تو اقل پر بناء کرے گا؛ کیونکہ اقل یقینی ہوتا ہے۔

دلیل : **عن ابی سعید قال : قال رسول الله ﷺ إذا شک احدکم فی صلاته فلم یدر کم صلی ثلاثا او اربعا فلیطرح الشک ولیبن علی ما استیقن ثم یسجد سجدتین قبل ان یسلم .**

(۲) احناف : اگر مصلی کو پہلی بار شک ہوا ہے تو اس پر اعادۂ صلاۃ واجب ہے اور اگر بار بار شک پیش آتا رہتا ہے تو اعادۂ صلاۃ واجب نہیں اسے چاہیے کہ اس میں تحری کرے یعنی غور وفکر کرے اور جس طرف غالب گمان ہو اس کو لے۔ اور اگر کسی جانب غالب گمان نہ ہو تو بناء علی الاقل کرے گا۔

دلیل: حضرت ابن مسعودؓ کی روایت: **قال النبی ﷺ إذا شک احدکم فی صلاته فلیتحر الصواب فالیتم علیه ثم یسلم ثم یسجد سجدتین .**

جواب : ابن مسعود کی روایت میں جو تحری کا حکم ہے اس کو جمہور نے '' **الاخذ بالیقین** '' پر محمول کیا ہے کہ تحروا کا معنی قصد ہے جیسے قرآن کریم میں آیا ہے '' **تحروا رشدا** '' پس حدیث کا معنی یہ ہوا کہ صواب کا قصد کرو اور قصد صواب وہی ہے جسے ابوسعید خدری کی حدیث نے واضح کیا ہے یعنی '' **الاخذ بالیقین** ''۔

سجدہ سہو کا محل :

(۱) احناف : سجدہ سہو مطلقا سلام کے بعد ہوگا۔

دلیل : **عن عبد الله بن مسعودؓ قال : قال رسول الله ﷺ إذا شک احدکم فی صلاته فلتحر الصواب فلیتم علیه ثم یسلم ثم یسجد سجدتین .**

(۲) امام شافعی: مطلقا قبل السلام ہوگا۔

دلیل : **عن بحینة الاسدیؓ ان النبی ﷺ قام فی صلاة الظهر وعلیه جلوس فلما اتم صلاته سجد سجدتین یکبر فی کل سجدة وهو جالس قبل ان یسلم .**

(۳) امام مالک: اگر سہو کسی نقصان کی وجہ سے ہوا ہے تو قبل السلام ہوگا اور اگر کسی زیادتی کی وجہ سے ہوا ہے تو بعد السلام ہوگا۔

(۴) امام احمد : جن صورتوں میں آپ ﷺ سے قبل السلام ثابت ہے وہاں قبل السلام اور جب صورتوں میں بعد السلام ثابت ہے وہاں بعد السلام۔

جواب :امام شافعیؒ فرماتے ہیں : '' **اخبرنا مطرف بن ماذن علی معمر عن الزهری قال** : رسول اللہ ﷺ نے قبل السلام بھی سجدہ کیا اور بعد السلام بھی لیکن آپ ﷺ کا اخیری فعل قبل السلام ہے پھر امام شافعیؒ نے اس کو معاویہ کی روایت کے ذریعہ موکد کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سجدہ سہو قبل السلام کیا ہے۔''

نیز امام شافعیؒ نے بعد السلام کے نسخ کے لیے معاویہ بن ابی سفیان کی روایت سے استدلال کیا کہ انہوں نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی اور قعدہ اولی کو ترک کیا اور کھڑے ہو گئے پھر نماز کے اخیر میں سلام سے پہلے دو سجدے کیے اور کہا: کہ میں نے آپ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا۔

معاویہ یہ متاخر الاسلام صحابی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا دیکھنا بھی آپ کی اخیری زندگی میں ہوا ہے اور آپ ﷺ کا اخیری عمل یہی رہا ہے۔

عود الی القعود کا عند الائمہ حکم :

(۱) جمہور کے نزدیک: کھڑے ہونے کے بعد مصلی نہیں لوٹے گا اگر لوٹا تو شوافع کے نزدیک نماز ٹوٹ جائے گی اور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۲) حنابلہ : اگر وہ مکمل کھڑا ہو جائے اور فاتحہ نہ پڑھا ہو تو اس کا لوٹنا اولی ہے اگر وہ لوٹا تو نماز فاسد نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ مقصود رکن ہے اور قیام رکن کے مقصود میں سے نہیں ہے۔

(۳) مالکیہ : لوٹے گا جب کے اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین سے جدا نہ ہوئے ہو۔ اگر لوٹا تو اصح قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورہ فاتحہ کا بعض حصہ پڑھ لے، اگر اس نے مکمل سورہ فاتحہ پڑھا اور لوٹا تو نماز فاسد ہوگی۔

کتاب الجنائز

(جمع وترتیب : مولوی مصطفیٰ لوکھنڈے)

سوال :(۷۳) أن النبی ﷺ قال : إن المیت لیُعذب ببکاء الحی. (بخاری : ۱۲۷۵ ص : ۲۶۲)

ترجمہ، اس حدیث کا بظاہر کس آیت سے تعارض ہے؟ رفع تعارض اور تطبیق کے متعلق شارحین سے منقول مختلف توجیہات قلمبند کیجیے۔

جواب : ترجمہ : نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: کہ میت کوعذاب دیا جاتا ہے، زندوں کے رونے کی وجہ سے۔

اس حدیث کا بظاہر "**ولاتزر وازرة وزر أخری**" اس آیت سے تعارض ہے۔

رفع تعارض اور تطبیق کے متعلق شارحین سے منقول مختلف توجیہات:

اصل تعارض یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ میت پر رونے کی وجہ سے، میت کوعذاب ہوگا۔اور آیت کریمہ میں ہے کہ کسی کے گناہ کا بوجھ کسی پر لادا نہیں جائے گا۔ لہذا حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوھریرہؓ اور چند صحابہؓ کا کہنا ہے کہ عذاب نہیں ہوگا، اور حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ کا کہنا ہے کہ عذاب ہوگا۔یعنی بعض حدیث کی طرف گئے ہیں اور بعض آیت کی طرف۔لیکن شارحین نے رفع تعارض اور تطبیق سے متعلق توجیہات پیش کی ہیں جوحسب ذیل ہیں۔

(۱) اگر مرنے والا اس نوحہ وماتم کا عادی ہوتو اسکوعذاب ہوگا، کیونکہ اس نے روکنے کی کوشش وفکر نہیں کی، یہ اسکا بدلہ ہے۔(دلیل : **قوا انفسکم واھلیکم نارا**(القران) **کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته**(الحدیث)) لہذا اگر میت کی نوحہ وماتم کی عادت نہ ہوتو اب اسکوعذاب نہ ہوگا۔

(۲) ایک قول بالکل ظاہر پر ہے کہ عذاب ہوگا۔(دلیل : مذکورہ حدیث)

(۳) ایک قول بالکل برعکس ہے کہ عذاب نہیں ہوگا۔(دلیل : آیت کریمہ)

(۴) کافروں کے ساتھ خاص ہے۔ (۵) اگر مرنے والے نے نوحہ وماتم کی وصیت کی ہوتو اس پر عذاب ہوگا۔

(۶) ایک قول یہ ہے کہ گھر والوں کے رونے اور میت کوعذاب دینے کو وقت متحد ہوتا ہے، اس بات کوعذاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۷) ابن حزم وغیرہ فرماتے ہیں کہ رونے والے میت کے اوصاف گنا گنا کر روتے ہیں تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا حقیقتا تو ایسا تھا۔

(۸) اور ایک قول یہ ہے کہ مرنے والے کے سامنے اسکے گھر والوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں پھر اگر وہ اعمال برے ہوں تو اسکو تکلیف ہوتی ہے، اس تکلیف کوعذاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۹) علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ "**لا تزر وازرة وزر اخری**" کا تعلق آخرت سے ہے، اور حدیث میں جس عذاب کا ذکر ہے وہ قبر سے متعلق ہے۔

(فتح الباری : ۱۵۴/۳ حدیث نمبر : ۱۲۸۹)

سوال : (۷۴) عن ابی ھریرة ان رسول الله ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیه ،ویخرج بهم إلی المصلی ،فصلی بهم وکبر علیه اربع تکبیرات . (بخاری : ۱۳۱۸)

رأی النبی ﷺ قبرا منتبذا فصف اصحابه فصلی علیه . (ترمذی : ۱۰۳۷۔ص:۲۰۱)

ترجمہ، نجاشی کا نام کیا تھا؟ نجاشی کس کا لقب ہے؟ اسلام میں نعی کا کیا حکم ہے؟ صلوۃ الجنازۃ علی القبر (یعنی دفن کے بعد قبر پر نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے کے باب میں) ائمہ کے مذاہب ودلائل، نیز غائبانہ نماز جنازہ کے متعلق مسالک ائمہ مع الادلہ نذر قرطاس کریں، نبی کریم ﷺ نے کس کس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی؟ عندالائمہ جنازہ پر تکبیرات کی تعداد کیا ہے؟

جواب : ترجمہ: (۱) حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہیکہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کے موت کی خبر دی اس دن جس دن وہ وفات پائے، اور نبی کریم ﷺ صحابہ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلے، تو آپ نے صحابہ کے ساتھ صف بنائی اور اس پر چار (۴) تکبیرات پڑھی۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے دور دراز تنہا قبر کو دیکھا تو صحابہ نے صف بنائی پھر اس پر نماز پڑھی۔(یعنی صحابہ نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے صف بنائی پھر نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی۔)

☆ نجاشی کا نام اصحمہ بن بحر یہ تھا۔

☆ نجاشی حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہے۔

☆ اسلام میں نعی (یعنی موت کی خبر دینا) یہ جائز ہے۔

صلوۃ الجنازۃ علی القبر (یعنی دفن کے بعد قبر پر نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے کے باب میں) ائمہ کے مذاہب ودلائل

(۱) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جو شخص میت کی نماز جنازہ نہ پڑھ سکا ہو اس کیلئے قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔کب تک پڑھ سکتا ہے اسکے بارے میں شوافع کے یہاں چھ اقوال ہیں،لیکن راجح قول یہ ہے کہ ایک مہینہ تک پڑھ سکتے ہیں۔

دلیل شوافع وحنابلہ: (۱) مذکورہ بالا حدیث : رأی النبی ﷺ قبرا منتبذا.........(۲) ان ام سعد ماتت و النبی غائب فلما قدم صلی علیھا وقد مضی لذلک شھر.

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف ولی کیلئے اجازت ہے کہ وہ اگر نماز جنازہ میں شریک نہ ہوا ہو تو وہ پڑھ سکتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اسکے اعضاء صحیح وسالم ہونے کا اندازہ ہو،اس کے علاوہ حنفیوں کے نزدیک جواز کی کوئی صورت نہیں۔

دلیل : عن انس بن مالک ان النبی ﷺ نھی أن یصلی علی الجنائز بین القبور . یعنی آپ ﷺ نے قبروں کے درمیان جنازہ کی نماز پڑھنے سے منع فرمایا،تو قبر پر پڑھنا بدرجہ اولی جائز نہ ہوگا۔

(۳) امام مالکؒ کے نزدیک دفن کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے، چاہے وہ بغیر نمازِ جنازہ کے دفن کیا گیا ہو۔(اوجز المسالک : ۴/۵۴،۴۵۳)

نیز غائبانہ نماز جنازہ کے متعلق مسالک ائمہ مع الادلہ

۱) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔

دلیل : عن جابرؓ ان رسول ﷺ صلی علی النجاشی و کنت فی الصف الثانی او الثالث ۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی اور میں دوسری یا تیسری صف میں تھا۔

۲) امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں ہے۔انکا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی وہ نجاشی کی نماز جنازہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کس کس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی؟

نبی کریم ﷺ نے دو لوگوں کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ۱) اصحمہ نجاشی ۲) معاویہ المزنی۔

عندالائمہ جنازہ پر تکبیرات کی تعداد کیا ہے؟

جنازہ پر چار تکبیرات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے،البتہ امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ (۴) سے کم اور (۷) سے زیادہ نہ ہو۔اور امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول پانچ (۵) تکبیرات کا بھی ہے۔

البتہ جنازہ پر تکبیرات کے باب میں صحابہ میں اختلاف رہا ہے،بعضوں نے ۳/ سے ۹/ تک بھی کہا ہے،بعضوں نے سات ۷/ کہا ہے،بعضوں نے ۵/ کہا ہے ،بعضوں نے چار کہا ہے،اور یہ اختلاف صحابہ میں چلتا رہا، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ وفات پا گئے پھر جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو چار تکبیرات پر صحابہ کے مشورہ سے اجماع فرمایا۔

چار تکبیرات پر دلیل : کان النبی ﷺ یکبر علی الجنائز اربعا وخمسا وسبعا حتی مات النجاشی فخرج الی المصلی فصف الناس من ورائہ فکبر علیہ اربعا ،ثم ثبت النبی ﷺ علی اربع حتی توفاہ اللہ عز وجل .(اوجز المسالک : ۴/۴۳۷)

سوال: (۷۵) ان النبی ﷺ خرج یوما فصلی علی اھل احد صلوتہ علی المیت ثم انصرف الی المنبر..........(بخاری:۱۳۲۹ص:۱۷۴/۴)

کان النبی ﷺ یجمع بین الرجلین من قتلی احد.........(بخاری:۱۳۲۸ ص:۱۷۴/۴)

ترجمہ،یہ واقعہ کس وقت کا ہے؟ غزوۂ احد کس سن میں پیش آیا؟ عندالائمہ جنبی شہید کے غسل کا کیا حکم ہے؟ شہید کے نماز جنازہ کے متعلق اختلاف ائمہ مع الادلہ پیش کیجیے۔

جواب : ترجمہ : (۱) نبی کریم ﷺ ایک دن نکلے تو اہل احد پر نماز پڑھی،میت پر نماز پڑھنے کی طرح، پھر منبر پر جلوہ فگن ہوئے۔

(۲)　　نبی کریم ﷺ احد کے مقتولین میں سے دو دو لوگوں کے درمیان جمع کرتے۔

☆　یہ واقعہ غزوۂ احد کے تقریباً ساڑھے سات یا آٹھ سال کے بعد کا ہے۔(فتح الباری : ۲۱۱/۳۔۱۳۴۳ حدیث کے تحت)

☆　غزوۂ احد شوال ۳ھ میں پیش آیا۔(فتح الباری : ۲۱۱/۳)

☆　عندالائمہ جنبی شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

شہید کے نماز جنازہ کے متعلق اختلاف ائمہ مع الادلہ

(۱)　امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور امام احمد کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔

دلیل : وصل علیهم ان صلاتک سکن لهم (سورة التوبه)

یہ آیت مطلق ہے جو شہید وغیر شہید دونوں کو شامل ہے، نیز ابوداؤد میں یہ حدیث منقول ہے۔ **صلی النبی ﷺ علی قتلی احد .**

(۲)　ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

دلیل: عن جابرؓ أن رسول الله ﷺ أمر فی قتلیٰ احدبدفنهم بدمائهم ولم یصل علیهم ولم یغسلوا. (یعنی نبی کریم ﷺ نے احد کے شہداء کو انکے خون کے ساتھ، دفن کا حکم دیا، ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، اور ان کو غسل دیا گیا)(فتح الباری : ۲۱۲/۳۔ایضا ائمۂ اربعہ : ۲۹۳)

(جمع وترتیب : مولوی شہزادایلار)

سوال : (۷۶)سئل رسول الله ﷺ عن اولاد المشرکین فقال ،اذاخلقهم اعلم بما کانوا عاملین . (بخاری : ۱۳۶۷)

ترجمہ، اولادِ مشرکین کے انجام کے سلسلے میں اقوال علماء نذر قرطاس کریں۔

جواب : ترجمہ :　آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ مشرکین کی اولاد کہاں رہے گی، آپ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب انکو پیدا کیا تو خوب جانتا تھا کہ وہ کیسے کام کریں گے۔

اولادِ مشرکین کے سلسلے میں اسلاف میں اختلاف ہے۔(۱) اللہ کی مشیت میں ہیں، کیونکہ فیصلہ ہو چکا ہے، کہ بڑے ہوتے تو کیا کرتے، صاحبینؒ اور احمدؒ وغیرہ کا یہ قول ہے (۲) وہ سب کے سب مٹی بنیں گے (۳) اولادِ مشرکین جنتیوں کے خادم ہونگے اور بعض روایات میں اسکا تذکرہ ہے، حافظ صاحبؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(۴) اعراف میں ہوں گے، کیونکہ نہ نیکیاں ہیں کہ دخول جنت نصیب ہو، اور نہ گناہ کہ جہنم میں جھونکا جائے۔(۵) والدین کے تابع ہوں گے روایت میں اسکا بھی تذکرہ آتا ہے، لیکن یہ بھی سنداً مضبوط نہیں۔(۶) لوگوں کا امتحان ہوگا تو ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ، کود پڑو، تو جو کود پڑیں گے وہ جنتی ہوں گے کیونکہ اس سے زیادہ واضح ہو جائے گا کہ زندہ ہوتا تو کیا کرتا؟ حافظ صاحب نے اسکو بہتر قرار دیا ہے۔(۷) بعض نے توقف سے کام لیا ہے۔(۸) امساک یعنی انکو روکا جائے گا، دونوں میں معمولی فرق ہے۔(۹) بلوغ سے پہلے ہو تو جنتی ہوگا۔(۱۰) جنتی ہونگے۔اور یہی راجح قول ہے۔

از : طلبۂ دورۂ حدیث
۱۴۳۶/۳۷ھ ۲۰۱۵/۱۶ء

کتاب المناسک

(جمع وترتیب : مولوی عاقب کوکاٹے)

سوال :(۷۷) **طیبت رسول اللہ ﷺ قبل ان یحرم ویوم النحر قبل ان یطوف بالبیت بطیب فیہ مسک** (ترمذی :۹۱۷ انظر : مسلم : ۱/ ۳۷۸)

کنت اطیب رسول اللہ ﷺ لإحرامہ حین یحرم ولحلہ قبل ان یطوف بالبیت. (بخاری : ۱۵۱۶، فتح الباری : ۱۵۳۹)

ترجمہ، احرام سے قبل خوشبو کا کیا حکم ہے؟ مذکورہ طواف کا نام اور حکم؟ یوم النحر میں حاجی کیلئے مطلوبہ اعمال بالترتیب تحریر کیجئے، نیز ترتیب کا کیا حکم ہے؟

جواب :

علمائے کرامؒ کا اجماع ہے کہ محرم کیلئے، حالت احرام میں، ہر طرح کی خوشبو کا استعمال حرام ہے، چاہے حج کا احرام ہو یا عمرے کا، البتہ احرام سے پہلے ایسی خوشبو کے استعمال میں اختلاف ہے جس کا اثر، احرام باندھنے کے بعد باقی رہے۔(اوجز المسالک : ۶/۴۰۸)

(۱) ایسی خوشبو کا استعمال منع ہے جس کا اثر باقی رہے، یہ امام مالکؒ، امام محمد بن حسنؒ کا مسلک ہے اور اسی کے قائل حضرت عمر، عثمان، ابن عمر، عثمان بن ابی العاص اور امام عطاء وزہری رضی اللہ عنھم ہیں۔(اوجز المسالک :۶/۴۰۸)

دلیل : صفوان بن یعلی کی حدیث میں ہے :ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا، جو عمرے کا احرام باندھے اور اسکے بدن پر خوشبو لگی ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا: خوشبو کو تین/۳ مرتبہ دھوؤ اور اپنا جبہ اتار دو اور اپنے عمرے میں وہی افعال انجام دو جو تم حج میں انجام دیتے ہو۔(بخاری:۱۵۱۴ فتح الباری : ۱۵۳۶ مسلم:۲۷۹۸)

(۲) محرم، احرام سے پہلے جو خوشبو استعمال کرنا چاہے، وہ استعمال کرسکتا ہے، چاہے اسکا اثر باقی رہے یا نہ رہے، اس کے قائل ائمہؒ ثلاثہ، سفیان ثوری، داؤدؒ ہیں ۔(اوجز المسالک:۶/۴۰۸)

دلیل: حدیث عائشہؓ :جو سوال میں مذکور ہے۔

امام مالک کی دلیل کا جواب: حافظ صاحب نے دو جواب دئے ہیں۔

(۱) حضرت یعلیؓ کی حدیث میں مذکور واقعہ، جعرانہ کا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے، اور جعرانہ بالاتفاق ۸ھ میں پیش آیا، اور حدیث عائشہؓ حجۃ الوداع کے موقع کی ہے، اور حجۃ الوداع ۱۰ھ میں پیش آیا، لہذا حدیث عائشہ کو لیا جائے گا۔

(۲) حدیث یعلی میں جس خوشبو کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے، وہ خلوق ہے، مطلق خوشبو نہیں، تو ہوسکتا ہے کہ خوشبو کے دھونے کا حکم، اس میں زعفران کی ملاوٹ کی وجہ سے ہو، اس لئے کہ مرد کے لئے مطلقاً زعفران کی خوشبو کے استعمال کی نہی وارد ہے چاہے محرم ہو یا نہ ہو۔(فتح الباری : ۳/۳۹۵)

☆ **مذکورہ طواف کا نام، طواف افاضہ ہے**، اور یہ طواف باجماع امت، ارکان حج میں سے ایک رکن ہے۔(مسلم مع شرح النووی : ۱/۳۹۹)

☆ یوم النحر کے اعمال : ۱) رمیٔ جمرۂ عقبہ ۲) نحر ۳) حلق یا تقصیر ۴) طواف (فتح الباری : ۳/۵۷۱)

☆ (۱) ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک، ترتیب واجب نہیں ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ابتدائی تین (۳) اعمال میں ترتیب واجب ہے، لہذا تقدیم وتاخیر کی بنا پر دم واجب ہوگا۔

☆ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک رمی، نحر اور حلق کے بعد، طواف سے پہلے خوشبو جائز ہوجائے گی، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک، طواف کے بعد ہی خوشبو حلال ہوگی۔(اوجز المسالک : ۶/۴۱۷)

سوال :(۷۸) **عن ابی موسی الاشعریؓ قدمت علی رسول اللہ ﷺ ....لبیک باِھلال کاِھلال النبی ﷺ .**

(بخاری : ۱۶۹۲۔فتح الباری : ۱۷۲۴)

ترجمہ، حضرت ابو موسیؓ کہاں سے تشریف لائے تھے؟ علی الارجح آپ ﷺ کے احرام کی نوعیت کیا تھی؟ کیا دوسرے کے احرام پر اپنے احرام کو معلق رکھ سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے احرام تو نہیں کھولا، پھر ابو موسیؓ کو اس کا حکم کیوں دیا؟۔

جواب :ترجمہ: حضرت ابو موسی اشعریؓ سے منقول ہے :میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، جبکہ آپ ﷺ مقام بطحاء میں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے حج کیا؟ میں نے کہا :جی ہاں۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا : تم نے کس چیز کا احرام باندھا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے نبی کریم ﷺ

کے احرام کے مانند احرام باندھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا کیا، جاؤ، بیت اللہ کا طواف کرو اور صفا و مروہ کی سعی کرو، پھر میں بنوقیس کی عورتوں میں سے ایک عورت کے پاس آیا، تو اس نے میرے سر سے جوئیں تلاش کیں، پھر میں نے حج کا احرام باندھا۔

☆ حضرت ابوموسیٰؓ "یمن" سے تشریف لائے تھے۔

☆ آپ ﷺ کے احرام کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے، اور اس سلسلے میں افراد، تمتع، اور قران تینوں نوعیّتوں کے قائلین ہیں۔

راجح تطبیق یہ ہے کہ ابتداءًا آپ ﷺ کا احرام، حج افراد کا تھا، اور جو حضرات تمتع کے قائل ہیں، تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ آپ ﷺ نے تمتع کا حکم دیا تھا، اور جو حضرات قران کے قائل ہیں تو وہ آخری احوال کے اعتبار سے ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے حج پر عمرے کو داخل کیا تھا۔ (فتح الباری : ۴۲۹/۳)

☆ ہاں، اپنے احرام کو دوسرے کے احرام پر معلق کرنا جائز ہے۔ (مسلم مع شرح النووی : ۴۰۱/۱)

☆ آپ ﷺ کے ساتھ چونکہ ہدی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے احرام نہیں کھولا، اور حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس، ہدی نہ ہونے کی بنا پر انہیں احرام کھولنے کا حکم دیا۔

سوال : (۷۹) (۱) **تابعوا بين الحج والعمرة، فإنهما ينفيان الفقر والذنوب، كما ينفي الكيرُ خبث الحديد والذهب والفضة، وليس للحجة المبرورة ثواب إلا الجنة.** (ترمذی : ۸۱۰)

(۲) **العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما، والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة** (بخاری : ۱۷۷۳۔ فتح الباری : ۱۷۷۳)

ترجمہ، حج مبرور کی وضاحت کیجیے، عندالائمہ عمرہ کا حکم مع الادلہ مفصلا، حج وعمرہ کی ادائیگی کے مختلف طریقے مع مختصر تشریح، عندالائمہ ان میں سے کون سا طریقہ افضل ہے؟ حج وعمرہ کا لغوی مفہوم۔

جواب : ترجمہ (۱) حج اور عمرہ بار بار ادا کیا کرو، اسلئے کہ یہ دونوں فقر و ذنوب (گناہ) کو ایسے مٹا دیتے ہیں، جیسے بھٹی، لوہے، سونے اور چاندی کے زنگ (خرابی) کو دور کر دیتی ہے، اور حج مبرور کا بدلہ، ثواب، جنت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۲) ایک عمرہ، دوسرے عمرے تک، مابین کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے، اور حج مبرور (مقبول) کا بدلہ، جنت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

الحج : لغۃ : القصد

شرعا: القصد إلى البيت الحرام بأعمال مخصوصة. (فتح الباری : ۳۷۸/۳)

العمرة : الزيارة (فتح الباری : ۵۹۷/۳)

حج مبرور کی وضاحت میں اقوال مختلف ہیں :

(۱) حج مبرور وہ حج ہے، جس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ (۲) حج مبرور سے مراد، حج مقبول ہے۔ (مسلم مع شرح النووی : ۴۳۶/۱)

(۳) جس میں ریا نہ ہو۔ (فتح الباری : ۷۸/۱ (مسلم مع شرح النووی : ۴۳۶/۱))

عندالائمہ عمرے کا حکم:

(۱) امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ: عمرہ تطوع ہے۔

دلیل : عن جابرؓ أن النبي ﷺ سئل عن العمرة، أواجبة هي؟ قال : لا، وأن تعتمروا هو افضل. (ترمذی : ۹۳۱)

جواب : اس حدیث کی سند میں حجاج بن اَرطاۃ ہیں، جو ضعیف ہیں۔

(۲) امام شافعیؒ وامام احمدؒ: عمرہ واجب ہے۔

دلیل : (۱) قال الله تعالیٰ : وأتموا الحج والعمرة لله.

(۲) حضرت جابرؓ کی حدیث : **الحج والعمرة فريضتان.** (دارقطنی :۲۷۱۸، سنن کبری للبیہقی :۸۷۶۰)

(۳) ابن خزیمہؒ میں حدیث جبرئیل میں، ایمان اور اسلام کے متعلق سوال کے جواب میں یہ الفاظ وارد ہیں: **وأن تحج وتعتمر.**

(فتح الباری : ۵۹۷/۳)

حج وعمرے کی ادائیگی کے طریقے:

حج وعمرے کی ادائیگی کے تین (۳) طریقے ہیں۔

(الف) افراد : اشہرِحج میں صرف حج کا احرام باندھنا۔

(ب) تمتع : اشہرِحج میں عمرے کا احرام باندھنا، اور اعمال عمرہ ادا کر کے حلال ہو جانا، پھر اسی سال حج کا احرام باندھنا۔

(ج) قران حج وعمرے کا احرام ایک ساتھ باندھنا۔

امام احمدؒ : افضل تمتع ہے، پھر افراد پھر قران۔

امام مالکؒ : افراد افضل ہے، پھر قران، پھر تمتع۔

امام شافعیؒ : افراد افضل ہے، پھر تمتع، پھر قران۔

امام ابوحنیفہؒ: قران افضل ہے، پھر تمتع، پھر افراد۔(اوجز المسالک : ۵۰۴/۶، ۵۰۵)

☆ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد چار (۴) عمرے فرمائے۔(۱) حدیبیہ کے سال (۲) حدیبیہ کے آئندہ سال عمرۂ قضا (۳) ایک عمرہ ذی القعدہ میں (۴) ایک عمرہ حج کے ساتھ۔

سوال :(۸۰) عن نافع : أن عبد الله بن عمرؓ قال : حین خرج إلی مکة معتمرا فی الفتنة، إن صددت عن البیت صنعنا کما صنعنا مع رسول الله ﷺ فأهل بعمرة من أجل أن النبی ﷺ کان أهل بعمرة عام الحدیبیة. (بخاری :۱۷۷۸، فتح الباری : ۱۸۱۳)

ترجمہ "الفتنۃ" سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عمرؓ نے مذکورہ بالا جملہ کس بات کے جواب میں ارشاد فرمایا؟ کما صنعنا مع رسول الله ﷺ سے کس واقعے کی طرف اشارہ ہے؟ کیا مذکورہ بالا واقعے میں ابن عمرؓ نے صرف عمرہ کیا؟ نیز ابن عمرؓ کے حق میں، احصار پیش آیا، یا انہوں نے مناسک کی تکمیل کی؟ عندالائمہ کن موانع کے پر، احصار کے مسائل کا اطلاق ہوگا؟

جواب :ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب فتنے کے زمانے میں عمرے کا ارادہ کرتے ہوئے مکے کی طرف روانہ ہوئے، تو انھوں نے فرمایا: اگر مجھے بیت اللہ جانے سے روک دیا گیا، تو میں وہی کروں گا، جیسا ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کیا تھا، چنانچہ آپؓ نے عمرے کا احرام باندھا محض اس سبب سے کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے سال عمرے کا احرام باندھا تھا۔

☆ "الفتنۃ" سے مراد وہ زمانہ ہے، جب حجاج نے ابن زبیرؓ سے قتال کے لئے پڑاؤ ڈالا تھا۔(فتح الباری : ۵/۴، ۶)

☆ آپؓ نے یہ جملہ اس وقت ارشاد فرمایا، جب آپ کے بیٹوں عبیداللہ اور سالم نے فتنے کے زمانہ ہونے کی وجہ سے، آپ سے عمرے کے لئے نہ جانے کی درخواست کی اور عرض کیا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ آپؓ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا جائے گا۔

☆ **کما صنعنا مع رسول الله ﷺ** سے صلح حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے۔

☆ مذکورہ واقع میں ابن عمرؓ نے عمرے کے ساتھ حج بھی کیا۔

☆ ابن عمرؓ کے حق میں احصار پیش نہیں آیا، لہٰذا انہوں نے مناسک کی تکمیل کی۔

☆ (۱) ائمہ ثلاثہؒ : حصر صرف "عدوّ" (دشمن) کی وجہ سے ہوگا۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ: عدو کی طرح مرض اور ہر حابس سے احصار ہوگا۔(فتح الباری : ۳/۴)

سوال : (۸۱) صلی بنا النبی ﷺ ونحن اکثر ما کنا قط وامنه بمنی رکعتین. (بخاری : ۱۶۲۷۔ فتح الباری : ۱۶۵۶)

ترجمہ، منی میں اتمام کس نے شروع کیا؟ اس کے علماء نے کیا اسباب تحریر فرمائے ہیں؟ عندالائمہ منی کے قصر کی علت کیا ہے؟

جواب :ترجمہ : نبی کریم ﷺ نے ہمیں منی میں دو (۲) رکعتیں پڑھائیں، درآنحالیکہ ہم ماقبل کے مقابلے میں سب سے زیادہ تعداد میں اور سب سے زیادہ پرامن حالت میں تھے۔

☆ منی میں اتمام حضرت عثمانؓ نے شروع کیا۔

منی میں حضرت عثمانؓ کے اتمام کے اسباب:

(الف) چونکہ اس سال اعرابی زیادہ تھے، تو ان کی تعلیم کے لئے چار (۴) رکعتیں پڑھیں۔

(ب) آپؓ نے حج کے بعد اقامت کا ارادہ کیا، اسلئے اتمام کیا۔

(ج) حافظ صاحبؒ نے یہ توجیہ اختیار کی ہے کہ حضرت عثمانؓ رخصتِ قصر اس شخص کے لئے سمجھتے تھے، جس کا سفر جاری ہو، البتہ جو دوران سفر کسی جگہ قیام کرے، تو وہ مقیم کے حکم میں ہوگا، اور اتمام کرے گا۔

☆ امام مالکؒ : منیٰ میں قصر کی علت، نسک ہے۔

ائمہ ثلاثہ و جمہور: منیٰ میں علت قصر سفر ہے۔(اوجز المسالک : ۲۳۲/۸)

(جمع و ترتیب : مولوی حسین ہرگے)

سوال :(۸۲) **أن رجلا كان مع النبی ﷺ فوقصتة ناقته ،فمات فقال رسول الله ﷺ :اغسلوه بماء وسدر و كفنوه فی ثوبیه ، ولاتمسوه بطیب ولاتخمروا رأسه ،فإنه یبعث یوم القیامة ملبیا.**(بخاری : ۱۸۱۴۔ فتح الباری : ۱۸۵۱)

ترجمہ، یہ واقعہ کس جگہ پیش آیا؟ کیا دوران احرام انتقال ہوجائے تو اسکے مناسک کی نیابۃً تکمیل کی جائے گی؟ محرم کی تجہیز و تکفین میں احرام کی پابندی کے متعلق مذاہب و دلائل قلمبند کیجیے۔

جواب :ترجمہ: ایک شخص نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، تو اونٹنی نے انھیں گرا کر گردن توڑ دی، درآنحالیکہ وہ محرم تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے پانی اور بیری سے غسل دو، اور اسے اسی کے دو کپڑوں میں کفن دو، اور خوشبو نہ لگاؤ اور ان کے سر کو نہ ڈھانکو اس لیے کے ان کو قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔

☆ یہ واقعہ مقام جحفہ میں پیش آیا۔

☆ اگر دوران احرام محرم کا انتقال ہوجائے تو اس کے مناسک کی نیابۃً تکمیل نہیں کی جائے گی۔

☆

(۱) امام شافعی اور امام احمد : اگر محرم کا حالت احرام میں انتقال ہوجائے تو اسکا احرام باقی رہتا ہے لہذا مرنے کے بعد بھی اسکا نہ سر ڈھا کا جائیگا اور نہ ہی اسکو خوشبو لگائی جائیگی۔

دلیل: حضرت ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو ایک آدمی کو دیکھا جو اونٹ سے گر گیا جسکی وجہ سے اسکی گردن ٹوٹ گئی پھر وہ مر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "**اغسلوه بماء و سدر و كفنوه فی ثوبه ولا تخمروا رأسه**"

(۲) امام ابوحنیفہ اور امام مالکؒ: موت سے احرام منقطع ہوجاتا ہے لہذا محرم کے مرنے کے بعد اس کو خوشبو وغیرہ لگائی جاسکتی ہے۔

دلیل : **عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺقال : إذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوا له .**

(جمع و ترتیب: مولوی ابن سرفراز بصری)

سوال :(۸۳) **عن ابن عباس قال : كان رسول الله ﷺ يرمی الجمار اذا زالت الشمس .**

ترجمہ، مختلف ایام میں کن جمروں کی رمی کی جائے گی؟ اور مختلف رمی کے ابتداء کے ابتدائی و انتہائی اور افضل اوقات کی عندالائمہ کیا تفصیل ہے؟

جواب :ترجمہ: آپ ﷺ سورج زائل ہونے کے بعد رمی کیا کرتے تھے۔

☆ یوم النحر میں صرف جمرے عقبہ کی رمی کی جائے گی اور بقیہ تین دنوں میں یعنی ایام تشریق میں تینوں جمرات کی رمی کی جائے گی (جمرہ اولی پھر وسطی پھر جمرہ عقبہ)

☆

رمی کی ابتداء کا ابتدائی وقت :

(۱) شوافع : یوم النحر کی نصف رات کے بعد سے جمرہ عقبہ کی رمی کرنا جائز ہے۔

دلیل: **عن عائشه قالت : كان سودة امرأة ضخمة تبطة فاستاذنت رسول الله ﷺان تفيض من جمع بليل فاذن لها قالت عائشة**

فلیتنی کنت استاذنت رسول الله ﷺ کما استاذنته سودة وکانت عائشة لا تفیض الامع الامام .

(۲) ابوحنیفہؒ امام احمدؒ : طلوع فجر کے بعد رمی کرنا جائز ہے اس سے پہلے کرنے سے اعادہ ضروری ہوگا۔

دلیل: **لا ترموا الجمرة حتی تطلع الشمس.**

☆ اور انتہائی وقت ایام تشریق کے اخیری دن کے سورج غروب ہونے تک رہتا ہے۔

☆ افضل وقت : تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یوم النحر میں طلوع فجر کے بعد رمی کرنا افضل ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے یوم النحر میں چاشت کے وقت رمی کی۔

☆ یوم النحر کے بعد کے ایام میں رمی بالاتفاق زوال کے بعد ہوگی۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تیرہ تاریخ کی رمی زوال سے پہلے کر سکتے ہیں۔

دلیل: استحسان

عطاء، طاؤس: ایام تشریق کی رمی قبل الزوال کر سکتے ہیں، اس پر اعادہ نہ ہوگا۔

سوال : (۸۴) **عن عمران قال : تمتعنا علی عهد رسول الله ﷺ ونزل القرآن قال رجل برایه ماشاء .**

تمتع کی تعریف، رجل سے کون مراد ہے؟ مذکورہ قول کی وضاحت، تعارض کے رفع میں شارحین کیا فرماتے ہیں؟ عندالائمہ کس طریقہ سے مناسک کی ادائیگی افضل ہے؟

جواب: ترجمہ: حضرت عمرانؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تمتع کیا کرتے تھے درحالیکہ قرآن نازل ہو رہا تھا اور ایک آدمی نے اپنی طرف سے جو چاہا کہہ دیا۔

تمتع کی تعریف :

صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جائے پھر عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد احرام کھول دیا جائے اور اٹھ ذی الحجہ کو حج کی نیت سے دوبارہ احرام باندھا جائے۔

☆

رجل سے مراد حضرت عمرؓ ہیں۔

قال رجل برایہ کی وضاحت :

حضرت عمرؓ اپنی رای سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حج کرنے میں تمتع کا طریقہ نہ اپنایا جائے بلکہ افراد کو اپنایا جائے؛ اس لیے کہ وہ افراد کو افضل سمجھتے تھے۔

تعارض : ایک طرف تو آپ ﷺ سے تمتع کا ثبوت مل رہا ہے اور دوسری طرف حضرت عمرؓ تمتع سے منع کر رہے ہیں، لہذا یہاں پر تعارض ہو گیا۔

دفع تعارض : اس میں علماء کے چند اقوال ہیں :

(۱) علامہ مازریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس تمتع سے منع کرتے تھے جس میں حج کو عمرہ سے فسخ کیا جاتا تھا (یعنی محرم حج کا احرام باندھ کر گھر سے نکلے اور پھر اس کو عمرہ سے بدل دے اور حلال ہو جائے اور بعد میں حج کا احرام باندھے)

(۲) قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: حدیث جابرؓ حدیث عمرانؓ وحدیث ابوموسیؓ کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ اس سے وہی تمتع مراد ہے جس میں حج کو عمرہ سے فسخ کیا جائے، حضرت عمرؓ لوگوں کو اسکے کرنے پہ مارتے تھے اس لیے کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کا اعتقاد یہ تھا کہ اس طرح تمتع کرنا صرف حجۃ الوداع کے سال خاص تھا، بعد میں اس کی اجازت ملی۔

(۳) امام نوویؒ فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ، عثمانؓ، اور دیگر صحابہؓ جو تمتع سے منع کر رہے ہیں اس سے شرعی تمتع مراد ہے اور ان کا منع کرنا یہ لوگوں کو حج افراد کی ترغیب دینے کے لیے تھا جو کہ افضل ہے۔

(۴) حضرت ابوموسیؓ بیان کرتے ہیں: کہ میں نے حضرت عمرؓ سے تمتع کے بارے میں پوچھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں بھی جانتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ نے تمتع کیا ہے لیکن میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کریں پھر حج کے لیے اس حالت میں آئے کہ ان کے مذاکیر ٹپک رہے ہوں، نیز حضرت عمرؓ یہ چاہتے تھے کہ ہر سال دو مرتبہ لوگ بیت اللہ کی زیارت کریں۔

(۵) امام نوویؒ فرماتے ہیں؛ کہ آپ ﷺ کی طرف جو تمتع کی نسبت ہے اس سے تمتع لغوی مراد ہے یعنی آپ ﷺ نے دونوں (حج وعمرہ) سے فائدہ اٹھایا یعنی قران

کیا اور بعض صحابہ نے تمتع کیا اس سے تمتع شرعی مراد ہے۔

(جمع وترتیب : مولوی محسن کلی)

سوال : (۸۵) **عن ابن عمرؓ قال : خرجنا مع رسول الله ﷺ معتمرين فحال الكفار قريش دون البيت فنحر رسول الله ﷺ بدنه وحلق رأسه .**

ترجمہ، اس واقعہ کا مشہور نام اور مکمل قصہ، عندالائمہ اسباب حصار، بصورت حصار محصر کے لیے کیا حکم ہے؟ عندالائمہ آئندہ قضاء کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب : ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے نکلے تو کفار قریش نے بیت اللہ جانے سے روکا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہدی کو نحر کیا اور اپنے سر کا حلق کیا۔

☆ اس وقعہ کا مشہور نام ''عمرۃ القضاء'' اور ''عمرۃ الحدیبیۃ'' ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

☆ احصار کے معنی رکاوٹ، اگر کوئی تکمیل نہ کر سکے اور رکاوٹ پیش آجائے تو ہدی ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔

دلیل : **فإن احصرتم فما استيسر من الهدى**

عطاء فرماتے ہیں : نسک تک نہ پہنچے تو یہ حصار ہے۔

عندالائمہ اسباب حصار :

(۱) امام ابوحنیفہ، عطاء اور صحابہ کی ایک جماعت : کوئی بھی چیز رکاوٹ بنے تو احصار ہے۔

دلیل : (۱) ابن مسعودؓ نے ایک شخص کو سانپ کے ڈسنے پر احصار کا حکم لگایا۔

(۲) ابن عباسؓ نے پریشانی اور مرض کی وجہ سے احصار کا حکم لگایا۔

(۲) ائمہ ثلاثہ : صرف دشمن کی وجہ سے احصار ہوگا، دوسرے اعذار کی وجہ سے احصار نہیں ہوگا۔

دلیل : اللہ تعالی کا حکم ہے : **واتموا الحج والعمرة لله** ۔ اور محصر کے لیے رخصت ہے لہذا جہاں ثابت ہے وہی رخصت ملے گی تعمیم نہ ہوگی۔

(۱) البتہ امام شافعی واحمد کے نزدیک ایک مشکل یہ ہے کہ اگر احرام کے وقت شرط لگائے کہ کوئی بھی عذر پیش آئے تو میں احرام کھول دوں گا، تو اب اسکو احرام کھولنے کی اجازت ہوگی۔

(۲) البتہ امام مالک کے نزدیک بیماری کی وجہ سے کھول نہیں سکتے اور شرط لگانا بھی درست نہیں، انکی (۱) دلیل ابن عباسؓ سے صحیح سند سے منقول ہے ''**لاحصر الا بالعدو**'' (۲) ابن عمر سے صحیح سند سے منقول ہے کہ بیماری کی وجہ سے احرام نہیں کھول سکتے، راستہ میں ایک آدمی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو انہوں نے فتوی پوچھا تو ابن عباس اور ابن عمر میں سے کسی نے اسکی اجازت نہیں دی۔

اختلاف کی وجہ :

(۱) بعض اہل لغت : مرض کی وجہ سے ہو تو احصار باب افعال سے استعمال ہوتا ہے اور دشمن کی وجہ سے ہو تو حصر (فعل) سے استعمال ہوتا ہے اور قرآن میں احصار ہے، دشمن کے لیے، تو مرض میں بدرجہ اولی داخل ہوگا۔ (احناف)

(۲) بعض اہل لغت : دونوں کے لیے احصار (افعال) استعمال ہوتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ : ایت کا تعلق حدیبیہ سے ہے اور یہ حصر دشمن کی وجہ سے ہے اور اس کے لیے احصار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

بصورت احصار محصر کے لیے کیا حکم ہے ؟

(۱) ائمہ ثلاثہ : وہ احصار کی جگہ ہدذبح کرے اور حلق کر کے حلال ہوجائے۔

(۲) احناف : احصار کہیں بھی ہو وہیں سے قربانی کا جانور حرم میں بھیج دے اور جب حرم میں قربانی ہو تو اسکے بعد حلق یا قصر کر کے حلال ہوجائے۔

عندالائمہ آئندہ قضاء کرنے کا حکم:

(۱) حنفیہ : اگر محرم بالعمرہ (نفلی) ہو تو قضاء واجب ہے۔

دلیل: عمرۃ القضاء

(۲) ائمہ ثلاثہ : قضاء واجب نہیں ہے۔
دلیل : کسی صحابی کو قضاء کا حکم نہیں دیا۔
اور فرض ہو تو قضاء واجب ہے۔

(جمع وترتیب : مولوی شعیب چوگلے)

سوال : (۸۶) **عن ابن عباسؓ عن الصعب بن جثامة انه اهدى لرسول اللهﷺ حمارا وحشيا وهو باالابواء او بودان ، فرد عليه رسول الله ﷺ ، قال : فلما ان راى رسول الله ﷺماوجهه ،قال: انالم يرده عليك الاانا حرم .** (بخاری:۱۷۸۹)

ترجمہ،ائمہ کرام کے نزدیک محرم کے لیے شکار کیے ہوئے جانور کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب : ترجمہ: حضرت صعب بن جثامہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہﷺ کو ایک وحشی گدھا ہدیہ میں دیا، درآنحالیکہ وہ مقام ابواء یا مقام ودان میں تھے،تو نبی کریمﷺ نے ان کو وہ ہدیہ لوٹا دیا، راوی فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہﷺ نے ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے تو فرمایا: ہم آپ ک اہدیہ نہیں لوٹاتے مگر یہ کہ ہم حالت احرام میں ہو۔

محرم کے لیے شکار کرنا یا شکار کر کے کچھ کھانا یا شکار میں مدد کر کے اس کے کھانے میں شریک ہونا سب بالاتفاق حرام ہے،لیکن اگر ان سب کے بغیر کسی دوسرے آدمی نے شکار کیا ہو تو اس شکار کا محرم کے لیے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

(۱) ائمہ ثلاثہ : اگر محرم خود شکار کرے یا اسکی نیت سے شکار کیا گیا ہو تو محرم کے لیے وہ شکار حلال نہیں ہے چاہے اس کی اجازت سے شکار کیا ہو یا اجازت کے بغیر شکار کیا ہو لیکن اگر کوئی غیر محرم اپنے لیے شکار کرے اور اس نے محرم کی نیت نہ کی ہو تو اب محرم کے لیے کھانا جائز ہے۔

دلیل : **عن جابر عن النبی ﷺ قال : صيد البر لكم حلال وانتم حرم مالم تصيدوه اويصد لكم .**

(۲) امام ابوحنیفہ : جو جانور محرم کے لیے شکار کیا گیا ہو اور اس میں محرم کی جانب سے کوئی اعانت نہ ہو تو اس کے لیے اس شکار کا کھانا حلال ہے۔

دلیل : حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں: کہ وہ رسول اللہﷺ کے ساتھ تھے یہاں تک کہ جب وہ مکہ کے ایک راستے میں تھے تو وہ اپنے محرم ساتھوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے اور ابوقتادہ غیر محرم تھے تو انہوں نے ایک وحشی گدھے کو دیکھا تو وہ اپنے گھوڑے پر چڑھے پھر اپنے ساتھیوں سے کوڑا طلب کیا تو انہوں نے انکار کیا،تو انہوں نے ان سے نیزہ مانگا تو انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے اسے لیا پھر گدھے پر حملہ کیا تو اسے قتل کیا تو بعض صحابہ نے اسے کھایا اور بعض نے انکار کیا پھر جب انہوں نے رسول اللہﷺ کو پایا تو رسول اللہﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو رسول اللہﷺ نے کہا: یہ وہ کھانا ہے جو اللہ نے تم کو کھلایا ہے۔

(۳) سفیان ثوری،اسحاق بن راھویہ : کسی بھی صورت میں محرم کے لیے شکار کھانا جائز نہیں ہے۔

دلیل : (۱)**حرم عليكم صيد البر مادمتم حرما.**

(۲)**عن ابن عباسؓ عن الصعب بن جثامة انه اهدى لرسول اللهﷺ حمارا وحشيا وهو باالابواء او بودان ، فرد عليه رسول الله ﷺ ، قال : فلما ان راى رسول الله ﷺماوجهه ،قال: انالم يرده عليك الاانا حرم .**

جواب : امام نوویؒ فرماتے ہیں :

حضرت ابوقتادہ کی حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے اپنے شکار کرنے میں محرم صحابہ کا قصد نہیں کیا تھا اور حضرت صعب بن جثامہ کی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے شکار میں آپﷺ کا قصد کیا تھا اس لیے رسول اللہﷺ نے قبول کرنے سے منع فرمایا،اور آیت مبارکہ کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ وہ شکار اور گوشت حرام ہے جو محرم کے لیے شکار کیا گیا ہو۔

كتاب الزكوٰة

(جمع وترتیب : مولوی عطاء الرحمٰن ٹھاکور)

سوال :(۸۷) عن أبی هريرةؓ قال : لما توفی رسول اللّٰه ﷺ وكان ابوبكر وكفر من كفر من العرب فقال عمرؓ :كيف تقاتل الناس وقد قال رسول اللّٰه ﷺ.............الخ (بخاری : ۱۳۹۹)

حدیث کا ترجمہ وتشریح کیجیے، فرضیت زکوٰۃ میں جو اختلاف ہے بیان کیجیے اور کفر من کفر سے کون مراد ہے؟۔

جواب : ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی اور ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے اور عرب میں سے بعض لوگ کافر ہو گئے تو عمرؓ نے عرض کیا: کہ آپ لوگوں سے کیسے قتال کریں گے؟ درآنحالیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں، لہذا جس نے یہ کہا، اس نے مجھ سے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کرلیا، مگر اس کے حق کے ساتھ، اور اسکا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے، اسلئے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھ سے بکری کے بچہ کو بھی روک دیں، جس کو وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ادا کرتے تھے، تو میں ان سے اسکے روکنے کی وجہ سے قتال کروں گا۔ عمرؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے سینہ کو کھول دیا تو میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔

تشریح : اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد جب ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا، تو اختلاف کا سلسلہ یہی سے شروع ہو گیا، اس طور پر کے بعضوں نے صریح کفر اختیار کیا، لیکن یہ تعداد میں بہت کم تھے اور بعضوں نے کفر تو اختیار نہیں کیا البتہ وہ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے اور تاویل کرنے لگے کہ زکوٰۃ آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھی، لہذا زکوٰۃ کا حکم آپ ﷺ کے بعد باقی نہ رہا، اس وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے ان سے قتال کا ارادہ کیا لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ جب یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں تو آپ ان سے قتال کیسے کر سکتے ہیں؟ لیکن حضرت ابوبکرؓ برابر اسی بات پر مصر رہے، کہ اگر یہ لوگ زکوٰۃ میں سے ایک بکری کے بچہ کو بھی روکے رکھیں گے، تو اس پر بھی میں ان سے قتال کروں گا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کو یقین ہو گیا کہ وہی بات حق ہے جس پر حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر ہو گیا ہے۔

﴿**زکوٰۃ کے لغوی معنی** :۔۱) نماء یعنی بڑھنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: **زكا الزرع اذا نما.** ۲) **تطهير** : زکوٰۃ تطہیر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : **يتلوا عليهم ويزكيهم.**

زکوٰۃ کا حکم : زکوٰۃ کی فرضیت کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ زکوٰۃ کی بعض فروعات کے باب میں اختلاف ہے۔

زکوٰۃ کب فرض ہوئی؟ : اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔

(۱) ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں دعوی کیا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت، ہجرت سے پہلے ہوئی ہے۔

دلیل: ام سلمہؓ کی حدیث ہے کہ جب صحابہؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا: آپ ﷺ ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیتے ہیں۔

لیکن یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ اس وقت نہ پنج وقتہ نماز فرض ہوئی تھی، نہ رمضان کے روزے اور نہ ہی زکوٰۃ۔ لہذا پتہ چلا کہ نماز سے پنج وقتہ نماز اور روزوں سے ماہ مضان کے روزے مراد نہیں، اسی طرح زکوٰۃ سے بھی مخصوص زکوٰۃ مراد نہیں۔

(۲) جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ کی فرضیت، ہجرت کے بعد ہوئی ہے۔

دلیل: علماء کا اجماع واتفاق ہے کہ صیام رمضان کی فرضیت، ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے، اس لئے کہ صیام رمضان کی فرضیت پر دلالت کرنے والی آیت، بالاتفاق مدنی ہے۔ اور نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ میں قیس بن سعدؓ کی حدیث موجود ہے، جس کے الفاظ یوں ہیں: **"أمرنا رسول اللّٰه ﷺ بصدقة الفطر قبل أن تنزل الزكوة، ثم نزلت فريضة الزكوة، فلم يأمرنا ولم ينهنا ،ونحن نفعله."**

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اسکے رجال صحیح کے رجال ہے، سوائے ابوعمار کے، ان کا نام عریب ابن حمید ہے، کوفی ہے، ابن معین اور احمد نے انکی توثیق کی ہے۔ لہذا یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ صدقۂ فطر کی فرضیت، زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی، لہذا یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت رمضان کے بعد ہے، اور رمضان کے روزے ہجرت کے بعد فرض ہوئے ہیں، پتہ چلا کہ زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی۔

(الف) ایک قول یہ ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی فرضیت سے قبل، زکوٰۃ فرض ہوئی ہے۔ جیسا کہ روضہ میں امام نوویؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

(ب) ابن اثیرؒ نے تاریخ میں کہا ہے کہ اسکی فرضیت ۹ھ میں ہوئی ہے۔

دلیل : حضرت ثعلبہ بن حاطبؓ کا واقعہ ہے کہ جب آیت الصدقہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے عاملین زکوۃ کو، زکوۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ تو ثعلبہؓ نے کہا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ اور معلوم ہے کہ جزیہ ۹ھ میں شروع ہوا۔ لہذا پتہ چلا کہ زکوۃ ۹ھ میں فرض ہوئی ہے۔

لیکن یہ درست نہیں، کیونکہ اس کی فرضیت ۲ھ میں ہو چکی تھی۔ البتہ مستقل نظام ۹ھ میں مشروع ہوا۔ اور مزید یہ بھی کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس سے احتجاج کرنا درست نہیں ہے۔

اور کفر من کفر من العرب سے اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب مراد ہے۔ (مسلم مع شرح النووی ص : ۳۸)

سوال : (۸۸) باب ما أدی زکوته لیس بکنز ،لقول النبی ﷺ لیس فیما دون خمسة اواق صدقة.

روایت سے ترجمۃ الباب کیسے قائم کریں گے؟ مسئلہ مذکورہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا جمہور سے کیا اختلاف ہے؟ عندالائمہ چاندی کا نصاب کتنا ہے؟

جواب : عرب حضرات مال جمع کر کے رکھنے کو " کنز " کہتے ہیں، اور قرآن کریم میں کنز کے تعلق سے بڑی وعید آئی ہے، لیکن روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ نہیں ہے، اسکا مفہوم یہ نکلا کہ پانچ اوقیہ سے زیادہ میں زکوۃ واجب ہے۔ اسکا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس مال سے زکوۃ ادا کی جائے تو اس صاحب مال پر کوئی وعید نہیں ہے، لہذا صدقہ نکالنے کے بعد جو بقیہ مال ہے وہ کنز میں شامل نہیں ہوگا، نیز ادائیگی زکوۃ پر تو تعریف کی گئی لہذا جس مال کی زکوۃ ادا کی جائے اس پر وعید بھی ہو، یہ ممکن نہیں ہے۔

اسکے متعلق اسلاف میں معمولی اختلاف رہا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کا ابتداءً جمہور سے اختلاف رہا کہ وہ مطلقاً کنز کو مذموم گردانتے تھے، وہ اس معاملہ میں بڑے سخت تھے اور مطلق مال جمع کر کے رکھنے کے ہی خلاف تھے۔

اسکے برخلاف **"جمہور"** مطلق کنز کو مذموم نہیں سمجھتے بلکہ جس مال کی زکوۃ ادا نہ کی گئی ہو، اسکو کنز مذموم شمار کرتے ہیں۔

دلیل جمہور: حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت **"إذا أديت زكوة مالک فقد قضيت ماعليک "**

اس طرح مذکورہ روایت بھی دلیل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جمہور کے نزدیک ۵/اوقیہ چاندی پر زکوۃ فرض ہوتی ہے، اور ایک (۱) اوقیہ ۴۰/درہم کا ہوتا ہے تو ۵/اوقیہ ۲۰۰/درہم کا ہوگا، **لہذا چاندی کا نصاب ۲۰۰/درہم ہے۔**

مزید یہ کہ جدید تحقیق کے اعتبار سے ایک درہم ۳/گرام کے کچھ قریب ہوتا ہے، اس اعتبار سے ۲۰۰/درہم کا وزن ۵۹۵/گرام تقریباً ہوگا۔

سوال :(۸۹) یا معشر النساء تصدقن ولو من حليكن فإن كن أكثر أهل جهنم يوم القيامة .

ترجمہ، یہ بات آپ ﷺ نے کب ارشاد فرمائی؟ اکثر اہل جہنم ہونے کا سبب کیا بتلایا؟ نیز زکوۃ الحلی کا مسئلہ مفصل ومدلل مع اختلاف الائمہ لکھیے۔

جواب: ترجمہ : اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کرو، گرچہ زیورات کیوں نہ ہوں، کیونکہ قیامت کے روز تم، جہنم میں سب سے زیادہ ہوں گی۔

☆ یہ بات آپ ﷺ نے **عید کے موقع** پر ارشاد فرمائی، ترغیب دیتے ہوئے۔

☆ اکثر اہل جہنم ہونے کا سبب **تكثرن اللعن اور تكفرن العشير** ہے۔

☆ سونے چاندی کے علاوہ زیورات پر بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ : سونے چاندی کے زیورات پر زکوۃ ہے۔ سفیان ثوریؒ اور ابن مبارکؒ اس کے وجوب کے قائل ہیں۔

دلیل : (۱) ایک روایت میں ہے کہ دو (۲) عورتیں آپ ﷺ کے پاس آئیں، ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا، انکی زکوۃ ادا کی؟ تو ان دونوں نے کہا، نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم پسند کرتی ہو کہ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے جائیں، عورتوں نے کہا، نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا، ان کی زکوۃ ادا کرو!۔

(۲) ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: کہ میری عورت کے پاس بیس (۲۰) مثقال کے زیورات ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: نصف مثقال ادا کرو۔

احناف ان روایات سے وجوب زکوۃ پر استدلال کرتے ہیں لیکن ان احادیث پر ائمہ نے جرح وتعدیل کی ہیں لہذا ایسی احادیث سے اختلافی مسئلہ پر استدلال کرنا درست نہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ: عدم وجوب کے قائل ہیں۔

دلیل: عن جابرؓ رضی الله عنه لیس فی الحلی زکوۃ ۔ اسی طرح ابن عمرؓ، عائشہؓ، انسؓ، اور جابرؓ کے آثار سے بھی زکوۃ کی نفی ہوتی ہے۔

وجوب پر دلالت کرنے والی روایات کو اس بات پر محمول کیا جائے گا (۱) کہ ابتداء اسلام میں زکوۃ فرض تھی، کیونکہ اس وقت سونے کے زیورات عورتوں پر بھی حرام تھے، جب زیورات مباح کئے گئے تو زکوۃ ساقط ہوگئی (۲) یا حاجت کے بقدر زیورات کے علاوہ پر زکوۃ واجب ہے۔

☆ امام شافعی کا قول قدیم وجوب کا ہے، لہذا اختلاف سے نکلنے کے لئے احتیاطاً زکوۃ دینا بہتر ہے۔

☆ بعض: ایک ہی بار زکوۃ واجب ہے۔

وجہ ترجیح : عدم وجوب کا قول، اموال زکوۃ کے بارے میں اصول عام سے مطابقت رکھتا ہے، کیونکہ زکوۃ اس مال میں واجب ہوتی ہے، جو خالی ہو یا جس کے اندر نمو کی صلاحیت ہو، جیسے نقدی وغیرہ۔ برخلاف عورتوں کے مباح زیورات کہ ان کے لئے یہ باعث زینت اور ذاتی طور پر فائدہ اٹھانے کی چیز ہے، جیسے عمدہ کپڑے، عمدہ سامان اور ہیرے، سونے کے زیوارات کی طرح ہیں اور ان میں زکوۃ نہیں ہے۔ اور زکوۃ، اموال خالی میں فرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اصل مال کو باقی رکھتے ہوئے اضافہ شدہ مال سے زکوۃ وصول کی جائے۔ نیز احناف کے اصول پر روایت کو منسوخ سمجھنا چاہیے، کیونکہ زکوۃ والی روایت حضرت صدیقہؓ کی ہے اور وہ خود اس کی قائل نہیں ہیں، تو راوی کا فتوی حدیث کے خلاف ہوگیا، لہذا فتوی (عدم وجوب کو) ترجیح ہوگی۔

سوال : (۹۰) ألامن ولی یتیما له مال فلیتجر فیه ولا یترکه حتی تأکله الصدقة .

ترجمہ، یتیم کے مال میں وجوب زکوۃ کا مسئلہ مفصلا مع الادلہ والاختلاف قلم بند کیجیے۔

جواب : ترجمہ : نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سنو! جو کسی یتیم کا ولی ہو وہ یتیم کے مال میں تجارت کرے، اسکو چھوڑے نہ رکھے یہاں تک کے زکوۃ اسکو کھالے۔

یتیم کے مال میں زکوۃ کے وجوب کے سلسلے میں ائمہ کرام میں اختلاف ہے۔

۱ **ائمہ ثلاثہ، امام بیہقی، امام اسحاقؒ وجوب کے قائل ہے۔**

دلیل : (۱) مذکورہ حدیث میں یتیم کے مال میں تجارت کر کے اسکو بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ زکوۃ نکالتے نکالتے وہ مال ختم نہ ہوجائے۔

لہذا روایت سے صراحتاً معلوم ہوا کہ یتیم کے مال میں زکوۃ واجب ہے، تب ہی تو نکالنے سے ختم ہوگا۔ گرچہ یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن صحابہ کے آثار سے اسکی تائید ہوتی ہے، جو کہ صریح اور صحیح ہیں۔

(۲) وہ عمومی حدیث جو نصاب زکوۃ کے بارے میں ہیں، اسمیں نصاب کا ذکر تو ہے، لیکن بلوغ کی شرط نہیں ہے، لہذا یتیم بھی اسمیں داخل ہوگیا، کیونکہ قبل البلوغ ہی یتیم کا اطلاق ہوگا، لہذا اس سے وجوب زکوۃ کی تائید ہوتی ہے۔

۲ **احناف عدم وجوب کے قائل ہیں۔**

دلیل : (۱) حضرت صدیقہؓ کی روایت "رفع القلم عن ثلاثة ،عن النائم حتی یستیقظ عن المبتلی حتی یبرأوعن الصبی حتی یکبر"

رفع قلم میں بچے کو بھی داخل کیا گیا ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب کیسے ہوگی؟

اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ (۱) یہاں رفعِ قلم سے رفع اثم مراد ہے، (۲) دوسری بات یہ ہے کہ بچے کو مرفوع القلم مان بھی لیا جائے تو یہ حکم بچے کو نہیں ہے بلکہ ولی کو دیا گیا ہے، اور ولی سے رفع حکم نہیں ہے۔ (۳) زکوۃِ مال میں تو آپ رفع قلم کی بات کہتے ہیں جبکہ عشر میں تو وجوب کے قائل ہیں، تو آپ کی دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ وہاں بھی رفع قلم ہونا چاہیے۔

(۲) زکوۃ یہ مال کا شکر ادا کرنا ہے اور نابالغ کے ذمہ شکر نہیں، جیسا کہ نماز بدنی ہے، جو کہ ان پر واجب نہیں، تو زکوۃ بھی واجب نہیں ہونی چاہیے۔

جواب : بدن کے شکر کی ادائیگی میں بچہ کمزور ہے، لیکن مال کے شکر میں مال نکالنے میں بچہ کی کمزوری سے کوئی دقت نہیں ہے۔ اسی طرح احناف کے اصول کے تحت تو وجوب زکوۃ کو ترجیح ہونی چاہیے، کیونکہ حضرت صدیقہؓ اور ابن عمرؓ کی روایت عدم وجوب پر دلالت ہے، جبکہ دونوں کا فتوی وجوب زکوۃ کا ہے۔ اور خود احناف بچہ کے

بارے میں مالی حقوق کو واجب مانتے ہیں، جیسے صدقۂ فطر اور زمین کا عشر۔ تو زکوۃ کو واجب کیوں نہیں مانتے ؟

سوال :(۹۱) من سأل الناس وله مايغنيه جاء يوم القيامة ومسألته فى وجهه خموش أو خدوش أو كدوح ،قيل يا رسول الله ﷺ وما يغنيه ؟ قال : خمسون درهما أو قيمتها من الذهب .

ترجمہ، غناء کی مقدار کے متعلق ائمہ کے اقوال مع الادلہ نذر قرطاس کیجیے۔

جواب : ترجمہ: جولوگوں سے سوال کرے درآنحالیکہ اسکے پاس اتنا مال ہو جو اسکو لوگوں سے بے نیاز کردے تو قیامت کے دن آئے گا کہ سوال کرنے کی وجہ سے اسکے چہرہ پر زخم ہوگا۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ! وہ مقدار کیا ہے؟ جو بے نیاز کردے، تو رسول اللہ نے فرمایا: ۵۰/درھم یا پھر فرمایا اسکی قیمت کے برابر سونا۔

☆ حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس پچاس (۵۰) درہم ہوا سکے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، اور ایک روایت میں چالیس (۴۰) کا ذکر ہے۔

☆ (۱) سفیان ثوریؒ، عبداللہ ابن مبارکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور امام اسحاقؒ کے نزدیک غنی وہ ہے جسکے پاس **پچاس (۵۰)** درہم ہوں، اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غنی وہ ہے جو صاحب نصاب ہو۔

دلیل : ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کیا تو فرمایا: **تؤخذمن أغنيائهم وترد على فقرائهم.**

لہذا مراد غنی سے صاحب نصاب ہے۔

(۳) امام شافعیؒ کے نزدیک اسکی حالت کا اعتبار ہوگا، مثلاً کسی کے پاس (۵۰) درہم ہو یا اس سے زیادہ ہو، لیکن کثرت عیال کی وجہ سے وہ ان کا محتاج ہے تو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ (خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصارف وآمدنی پر فیصلہ ہوگا)

کسی کے پاس ایک درہم ہے، لیکن وہ کماتا ہے تو وہ غنی ہے، اور دوسرا جس کے پاس ایک ہزار درہم ہے، لیکن اس کے نفس اور کثرت عیال کی وجہ سے ضرورت مند ہے، تو وہ غنی نہیں ہے، لہذا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

دلیل : **من سأل منكم وله أوقية او عدلها فقد سئل الحافاً(لا يسئلون الناس الحافا)**(ابوداؤد)

(۴) بعض وہ جسکے پاس صبح وشام کے گزر اوقات کا سامان ہو، وہ مالدار ہے۔

دلیل : **من سأل وعنده ما يغنيه فإنمايستكثرمن النار ،فقالوا : يا رسول الله ! ﷺ وما يغنيه ؟ قال قدر ما يغديه ويغشيه .**(ابوداؤد)

(۵) ابوعبداللہ بن سلام : ۴۰/درہم نصاب ہے۔

ایک روایت میں چالیس (۴۰) کا ذکر ہے۔ **من سأل وله أربعة درهمافهو المحلف.**

سوال :(۹۲) ليس المسكين الذى ترده الأكلة والأكلتان ،ولكن المسكين الذى ليس له غنى ويستحيي او لا يسئل الناس الحافا.

ترجمہ، مستحقین زکوٰۃ مع تشریح وتوضیح لکھیے۔

جواب : ترجمہ : مسکین وہ نہیں، جسکو ایک اور دو لقمہ دربہ درگھومائے، مسکین تو وہ ہے جو بے نیاز نہ ہو، اور پھر وہ حیاء وشرم محسوس کرے، یا لوگوں نے چمٹ چمٹ کر اصرار کر کے دست سوال دراز نہ کرے۔

☆ مستحقین زکوۃ/۸قسم کے لوگ ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں: **إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليهاوالمؤلفة قلوبهم وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله وابن السبيل .** (۱) فقراء (۲) مساکین (۳) عاملین زکوٰۃ (۴) نومسلم (۵) غلام (۶) قرضدار (۷) مسافر (۸) مجاہد۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ (۸) قسم کے افراد کو بیان کیا ہے جو مستحقین زکوٰۃ ہیں، اولاً فقیر ہے۔ اب فقر کسے کہیں گے، اس میں مختلف اقوال ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) فقیر یہ مسکین سے بدتر ہوتا ہے، اور مسکین وہ ہے جسکے پاس کچھ مال ہو، مگر وہ اسکے لئے کافی نہ ہو، اور فقیر وہ ہے جسکے کے پاس کچھ نہ ہو، یہی قول امام شافعی اور

جمہور کا ہے۔ اور بعضوں نے اسکے برعکس تعریف کی ہے۔اور بعضوں نے کہا ہے کہ دونوں برابر ہیں،اور یہ ابن قاسم اور اصحاب مالک کا قول ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مسکین وہ ہے جو سوال نہ کرے،اسکو ابن بطال نے ذکر کیا ہے۔اور اسکا مطلب یہ ہے کہ مسکین تعفف سے متصف ہوتا ہے،اور سوال کرنے میں اصرار نہیں کرتا۔

(۳)اور تیسرے نمبر پر عاملین ہے،اور عاملین سے مراد وہ شخص ہے جو زکوۃ کے وصول کرنے پر مامور ہو لہذا اس کو بھی زکوۃ کے مال سے دیا جائے گا۔

(۴) چوتھے نمبر پر مؤلفہ قلوب ہیں،مراد نومسلم ہے۔فقہاء شوافع کے نزدیک زکوۃ کے مال سے نومسلم کو دیا جائے گا،تاکہ اسکو اسلام میں ثابت کر سکے،لیکن کافر کو تالیف قلب کے لئے زکوۃ کے مال سے دینے کی گنجائش نہیں ہے اسکے علاوہ سے دے سکتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ،امام ابوحنیفہؒ،امام احمدؒ،امام مالکؒ کے نزدیک نومسلم کو نہیں دے سکتے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک دے سکتے ہیں،جہاں تالیف کی ضرورت ہوگی، وہاں دیا جائے گا۔

بعض کہتے ہیں کہ آج اسلام مضبوط ہو چکا ہے اس لئے اب نہیں دیا جائے گا،مگر بقول شیخ مدظلہ العالی آپ ﷺ نے جو دیا وہ ایمان کی پختگی کے لئے دیا ہے ،نہ کہ اسلام کی مضبوطی کے لئے۔لہذا یہ مراد لینا کہ مؤلفہ قلوب منسوخ ہوئے،یہ درست نہیں،لہذا فقہی روسے نومسلم کو دینا ضروری ہے۔اسی طرح قرضدار اور مسافر کو زکوۃ کے مال سے دیا جائے گا۔

فی سبیل اللہ سے مراد مجاہدین ہے،مجاہد کی دو قسمیں ہیں(۱)ایک مجاہد تطوعا ہوگا(۲)مستقل وظیفہ لیکر مجاہد ہوگا۔

لہذا عمومی طور پر متطوعین مجاہدین کے لئے تعاون ہوگا،اس کے لئے فقر کی کوئی ضرورت نہیں ہے مگر عندالحنفیہ فقر کی وجہ سے ہی دیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہؒ(احمدؒ،مالکؒ،ابوحنیفہؒ)آٹھ قسموں میں سے جس کو بھی دیا جائے زکوۃ ادا ہوگی،مکمل اٹھ قسموں کا استیعاب کرنا ضروری نہیں ہے،مگر عندالشافعی استیعاب ضروری ہے،مگر عمل تو آج کل شوافع کا بھی نہیں ہے،لہذا جتنے قسم کے افراد موجود ہونگے،تمام کو دینا ضروری ہے،اسکو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ہم کسی سے کہے کہ یہ مال زید،عمرو اور بکر کو دے دو،اور سامنے والے کسی ایک یا دو کو دے دے،مکمل کو نہ دیدے تو کیا اس نے اس کی اطاعت کی،ظاہری بات ہے کہ اس نے اسکی اطاعت نہ کی۔

اسی طرح ایک دوسرا مسئلہ نقل زکوۃ کا ہے،شوافع کے نزدیک یہ درست نہیں ہے،فقراء کے ہوتے ہوئے۔دیگر کے نزدیک اس کی گنجائش ہے۔
دلیل شافعی...............

اسی طرح ایک مسئلہ قیمت کا ہے،عندالشافعی اصل یہ ہے کہ اگر سونا ہے تو سونا،چاندی ہے تو چاندی نکالنا ہے،قیمت سے بات نہیں بنے گی،مگر اس پر آج کل شوافع کا بھی عمل نہیں۔

جہاں تک غلام کا مسئلہ ہے،تو اس سلسلے میں تین(۳)موقف ہے،بعض اس سے مراد غلام کو خرید کر آزاد کرنا اور یہ مالکؒ،ابوعبیدؒ،ابوثورؒ،اسحاقؒ اور ابن منذر کا قول ہے۔

دلیل : اگر اسے مکاتب کے ساتھ خاص کیا جائے تو یہ غارمین کے حکم میں داخل ہے ہی،اسلئے کہ یہ غارم ہے،اور اس لئے بھی کہ غلام کو خرید کر آزاد کرنا یہ مکاتب کی اعانت سے اولی ہے،اس لئے کہ غلام کی کبھی کبھار مدد تو کی جاتی ہے،مگر آزاد نہیں کیا جاتا،اور اس لئے بھی کہ خریدنا ہر وقت آسان ہے،برخلاف کتابت کے،اور اس لئے کہ حق ولاء یہ آقا کی طرف لوٹتا ہے،لہذا وہ مال اور ولاء دونوں کا مستحق ہوتا ہے،برخلاف آزادی کہ غلام کا ولاء یہ مسلمانوں کو حاصل ہوگا۔

(۲) لیکن اس سلسلے میں بہترین رای جو ابن عباسؓ سے منقول ہے وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے،کہ اس مکاتب مراد ہے،اور یہی قول امام شافعیؒ،لیث،کوفیین،اور اکثر اہل علم کا ہے۔

(۳) اس سلسلے میں ایک تیسرا قول بین بین ہے،کہ رقاب کے سہم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے،ایک حصہ مسلم مکاتب غلام کے لئے اور ایک حصہ صوم وصلاۃ کے پابند غلام کو خریدنے کے لئے اور اس قول کو ابن ابی حاتم اور ابوعبید،نے سند صحیح سے زہری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں عمر بن عبدالعزیزؒ نے کتابت کا معاملہ کیا تھا۔

سوال : (۹۳) **قال معاذؓ لأهل اليمن : ائتوني بعرض ثياب خميص او لبيس في الصدقة مكان الشعير و الذرة ، اهون عليكم ، و خير لأصحاب النبي ﷺ بالمدينة** ۔(ترجمہ،العرض فی الزکوٰۃ اور نقل زکوٰۃ پر ائمۂ کرام کے مذاہب ودلائل)۔

جواب: ترجمہ: حضرت معاذؓ نے یمن والوں سے کہا کہ زکوٰۃ میں مجھکو جو اور جوار کے بدلہ سامان دو کپڑے جیسے: دھاری دار چادر یا لباس، یہ تمہارے لئے آسان ہے اور مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے اصحاب کے لئے بھی بہتر ہوگا۔

العرض في الزكاة :

سونا، چاندی کی زکوٰۃ نقدی (روپیوں پیسوں) کی شکل میں ادا کی جاسکتی ہے؟ یا جو چیز واجب ہوتی ہے اسکی جگہ دوسری چیز نکال سکتے ہیں؟

اس سلسلہ میں دو موقف سامنے آتے ہیں۔(۱) جواز، (۲) عدم جواز۔

جواز کے قائلین: احناف اس بات کے قائل ہیں کہ سونے چاندی کے بجائے دوسری چیزوں کو نکال سکتے ہیں۔بقول نصر الباری ابن مسعود، ابن عمر، عمر فاروق رضی اللہ عنہم، طاؤس اور احمد کا راجح قول ہیں۔

عدم جواز کے قائلین: جمہور تو اسی چیز کے نکالنے کو واجب کہتے ہیں۔(بقول صاحب فتح الباری اور امام احمدؒ کا استثناء نہیں کیا ہے۔)

عدم جواز کے قائلین کے دلائل:

(۱) حضرت عطا بن یسار کی حدیث کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو حکم دیا کہ وہ حب میں سے حب زکوٰۃ میں لے، اسی طرح غنم میں سے غنم، ابل میں سے ابل، اور بقر میں سے بقر۔(روایت میں امر کا تقاضہ یہ ہیکہ جو چیز واجب ہے اسکے علاوہ نہیں لیا جائے)۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان میں صدقۂ فطر کو لوگوں پر تمر میں سے ایک صاع، گیہوں یا شعیر میں سے ایک صاع فرض کیا ہے ہر آزاد، غلام، مذکر، مؤنث، مسلمان شخص پر۔

(۳) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر نصاب جذعہ کے وجوب تک ہو لیکن اسکے پاس جذعہ نہ ہو بلکہ حقہ ہو تو اس سے ہی لیا جائے گا اور دو بکریاں یا بیس درہم بھی دینا ہوگا۔

جواز کے قائلین کے دلائل:

(۱) نبی کریم ﷺ نے صدقۂ فطر کے سلسلہ میں فرمایا کہ آج کے دن سوال کرنے سے غنی کر دو، بے نیاز کر دو۔

ج: اس روایت سے قیمت کے لینے پر استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ یہ مجمل ہے، اس لئے کہ اسمیں ایسی کوئی مقدار کا ذکر نہیں جو ان کو بے نیاز کر دے۔

(۲) احناف نے نصاب ابل والی روایت سے استدلال کیا ہے، جس میں ہے کہ اگر ۲۵ پر بنت مخاض نہ ہو تو ابن لبون۔لہذا ابنت مخاض ہوتے ہوئے بھی قیمت لے سکتے ہیں۔

ج: اس روایت کا مطلب یہ نہیں ہے بلکہ اسمیں ترتیب بتلانا ہے اور آپ کے مطلب سے تو ترتیب ساقط ہوگی۔اگر قیمت دینے کا ہی مسئلہ ہوتا تو پھر ابن لبون دینے کا حکم نہ دیتے بلکہ قیمت دینے کا حکم دیتے۔

(۳) حضرت خالدؓ نے اپنی زرہ زکوٰۃ میں دی۔لہذا معلوم ہوا کہ جو چیز واجب ہوتی ہے اسکے علاوہ دے سکتے ہیں۔

ج: یہ بات زکوٰۃ کی نہیں ہے۔البتہ فی سبیل اللہ کے اعتبار سے زکوٰۃ میں دینا تو ہم بھی جائز سمجھتے ہیں۔

(۴) عید کے موقع پر آپ ﷺ نے عورتوں کو خطبہ دیا اور صدقہ کا ذکر کیا تو عورتوں نے اپنے زیورات اور ہار وغیرہ نکال کر دے دئے۔(مسلم) اور آپ ﷺ نے پہلے یہاں پر تخصیص نہیں فرمائی، بلکہ مطلقاً کہہ دیا۔پتہ چلا ''فصدقن'' یہ عام ہے۔لہذا مختلف چیزیں دے سکتے ہیں۔

ج: یہاں یہ زکوٰۃ کا مسئلہ نہیں ہے کیونکہ یہاں زکوٰۃ کے شرائط کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔لہذا یہ افضل صدقہ ہے۔

(۵) حضرت معاذؓ کی حدیث جو باب میں مذکور ہے، جسمیں شعر کی جگہ گیہوں کا لفظ لیا گیا ہے۔(بخاری: ح/....)

ج: (۱) پہلی بات یہ ہیکہ بیہقی کی روایت میں صدقہ کی جگہ جزیہ کا لفظ ہے، اگر یہ ثابت ہو جائے تو استدلال ساقط ہو جائے گا۔

(۲) حضرت معاذؓ کا یہ اجتہاد ہے اسمیں کوئی حجت نہیں ہے۔

(۳) یہ **واقعة حال لا عموم لها** کے قبیل سے ہے، اسمیں کوئی حجت نہیں ہے۔کیونکہ احتمال ہیکہ یہ اہل مدینہ کا عمل ہو ان چیزوں کی ضرورت کی وجہ سے۔

(۴) وہ لوگ جزیہ پر صدقہ کے نام کا اطلاق کرتے تھے۔

اوراحناف کا سونے چاندی کے بدلے اور چیزوں کو نکالنے پرتجارت کرنا درست نہیں ہے، اسلئے کہ مال تجارت میں زکوٰۃ کے سامان کی قیمت واجب ہوتی ہے، اسلئے قیمت نکالی جائے گی۔

نقل زکوٰۃ کے متعلق ائمہ کرام کے مذاہب ودلائل

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ لمعاذ بن جبل حين بعثه إلى ....فإنهم طاعوا لک بذلک فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم صدقة توخذ من اغنيائهم فترد على فقرائهم ....(بخاری : ح/ ۱۴۹۶ /۴۳۴۷، فتح الباری ۳/ ۳۵۷، مسلم : ۳۱)۔

نقل زکوٰۃ کے سلسلہ میں اختلاف ہیں بعض جواز کے قائل ہیں (یعنی کسی علاقہ کی زکوٰۃ کو دوسرے علاقہ کے فقراء کو دینا جائز ہے، اس علاقہ کے فقراء کو دینا ضروری نہیں ہے)۔اکثر حضرات کے نزدیک نقل زکوٰۃ جائز نہیں ہے

جواز کے قائلین:

لیث اورابوحنیفہؒ اورانکے اصحاب نقل زکوٰۃ کے جواز کے قائل ہیں اورابن منذر نے امام شافعی سے بھی اس کو نقل کیا ہے اوراسکو اختیار کیا ہے۔

دلیل : قرآن کریم میں زکوۃ کا مصرف مطلقا للفقراء والمساکین ۔۔۔الخ کو بیان کیا گیا ہے علاقہ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں۔

عدم جواز کے قائلین :

امام شافعیؒ کا راجح قول ، مالکیہ ، جمہور کے نزدیک نقل زکوۃ جائز نہیں ہے ،لیکن اگر منتقل کردے تو اصح قول کے مطابق عند المالکیہ درست ہوگا ،شافعیہ کے نزدیک درست نہیں ہوگا، الا یہ کہ اس علاقے میں مستحقین نہ ہوں۔

دلیل : **عن ابی جحیفة عن ابیه قال : قدم علینامصدق النبی ﷺ فأخذ الصدقة من اغنیا ئنا فجعلها فی فقراء نا.** (ترمذی)اس عامل نے ہمارے مالداروں سے زکوۃ وصول کی اوراس کو ہمارے فقراء میں تقسیم کیا۔

(جمع وترتیب : مولوی عاقب کوکاٹے)

سوال : (۹۴) **لا یجمع بین متفرق ، ولا یفرق بین مجتمع مخافة الصدقة ، وما کا ن من خلیطین فإنهما یتراجعان بالسویة** (بخاری : ح/ ۱۴۳۰) ۔(ا) ترجمہ،(۲) عندالائمہ مسائل مذکورہ یعنی خلیطتین کا حکم اور عبارت کی مکمل توضیح مع الأ مثلہ کیجئے ۔(بخاری: ح/۱۴۳۰؛ فتح الباری: ح/۱۴۵۰؛ ترمذی: ح/۶۲۱)۔

جواب: ترجمہ: زکاۃ سے بچنے کیلئے نہ تو متفرق اشیاء کو جمع کیا جائے اورنہ ہی جمع شدہ میں تفریق کی جائے اوروہ جانور جو دوشریکوں سے کیا گیا ہوتو وہ دونوں آپس میں برابری کے ساتھ رجوع کریں گے۔

لا یجمع بین متفرق....:

خطاب مذکور مالکان مویشی سے بھی ہوسکتا ہے اورساعی (زکوٰۃ وصول کرنے والا) سے بھی۔خطاب اگر مالکان سے ہوتو انسے یہ کہا گیا ہے کہ اگر کچھ لوگوں کے جانور جدا جدا ہوں تو زیادہ زکوٰۃ سے بچنے کیلئے وہ لوگ آپس میں جانور نہ ملائیں۔مثلاً: دولوگوں کے پاس چالیس، چالیس بکریاں ہیں اورمتفرق ہیں، تو دونوں پرایک ایک بکری واجب ہوگی ،یعنی کل دوبکریاں واجب ہوں گے،لیکن اگر وہ دونوں آپس میں اپنے مویشی ملالیں تو اس صورت میں اسّی بکریوں میں صرف ایک ہی بکری واجب ہوگی۔گویا ایک بکری کم واجب ہوگی، تو مالکان ایسا نہ کریں اسی طرح زکوٰۃ سے بچنے کے لئے وہ لوگ مجتمع جانوروں میں تفریق بھی نہ کریں۔مثلاً: دولوگوں کے پاس تیس، تیس بکریاں ہیں اورمجتمع ہیں، لہذا دونوں پرایک بکری، ساٹھ جانوروں میں واجب ہوگی، توایسی صورت میں زکوٰۃ سے بچنے کیلئے مجتمع جانوروں میں تفریق نہ کریں۔

اوراگر خطاب ساعی سے ہو: تو اس سے کہا گیا ہے کہ اگر کچھ لوگوں کے جانور مجتمع ہیں تو زیادہ زکوٰۃ کے حصول کے لئے ساعی ان میں جمع وتفریق نہ کریں۔مثلاً : دولوگوں کی بکریاں جدا جدا ہیں اوران میں زکوٰۃ واجب نہیں جیسے دونوں کے پاس تیس تیس بکریاں ہوں تو زکوٰۃ واجب کرنے کیلئے ان کو نہ ملائے، اسی طرح اگر دونوں کی بکریاں مجتمع ہو اوران میں کم زکوٰۃ واجب ہورہی ہوتو زیادہ زکوۃ کے حصول کیلئے ان میں تفریق نہ کرے۔مثلاً: دولوگوں کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہیں

اور مجتمع ہیں اور ان میں اور ان میں ایک ہی بکری واجب ہورہی ہے تو دو بکریاں واجب کرنے کیلئے ان میں تفریق نہ کرے۔

وما كان من الخليطين :

اس قطعۂ حدیث میں 'خلطہ' کا ذکر ہے اور خلطہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) خلطۃ الشیوع، (۲) خلطۃ الجوار۔

(۱) خلطۃ الشیوع: یعنی دو لوگ مال کی ملکیت میں شریک ہوں اور مال دونوں کے درمیان اس طور پر مشترک ہو کہ کوئی تخصیص نہ ہو۔

(۲) خلطۃ جوار: یعنی دو لوگ مال کی ملکیت میں شریک تو نہ ہوں، لیکن جانوروں کا باڑہ، چراگاہ، پانی پینے کی جگہ اور نر وغیرہ ایک ہی ہو۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک خلطۂ جوار اور خلطۂ شیوع، دونوں کا اعتبار ہے۔ چنانچہ شرکت کی صورت میں جو جانور زکوٰۃ میں ادا کیا گیا ہو، اگر وہ کسی ایک کے مال سے ادا کیا گیا ہو تو وہ شخص اپنے شریک کی طرف رجوع کرے گا اور اسکے حصہ کے بقدر قیمت لے لے گا۔

عندالاحناف : نہ خلطۃ الشیوع کا اعتبار ہے اور نہ خلطۃ الجوار کا بلکہ ان دونوں صورتوں میں بھی زکوۃ ہر ایک کے اپنے حصہ پر واجب ہوگی مجموعہ پر نہیں۔

(جمع وترتیب : مولوی محسن کلی)

سوال : (۹۵) **أمر رسول الله ﷺ بصدقته فقيل ، منع ابن جميل وخالد بن وليد وعباس ابن عبد المطلب.**

تینوں کے منع زکوۃ کا آپ ﷺ نے کیا سبب بتلایا، عندالائمہ تعجیل زکوۃ کا حکم اور عندالشافعیہ تعجیل کے شرائط کیا ہیں؟

جواب : خالد بن ولید نے اپنا پورا مال اللہ کے راستہ میں وقف کر دیا تھا اس لیے منع فرمایا۔ اور حضرت ابن عباس نے دو سال کی زکوۃ دے رکھی تھی اس لیے منع فرمایا، اور ابن جمیل یہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میرے مال میں برکت کی دعا کیجیے، تو آپ ﷺ نے ان کے مال میں برکت کی دعا دی ان کے پاس بہت سارا مال ہوگیا آپ ﷺ نے ان کے پاس زکوۃ لینے کے لیے عامل بھیجا تو انہوں نے دینے سے نکا کیا اور کہا کہ یہ ٹیکس ہے تو آپ و نے فرمایا: کہ ابن جمیل کو یہ نہیں کہنا چاہیے تھا، پھر ابن جمیل آپ ﷺ کے پاس آئے اور معافی مانگی، مگر آپ ﷺ نے زکوۃ نہیں لی۔

عندالائمہ تعجیل زکوۃ کا حکم :

(۱) امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابوحنیفہؒ : اگر مال جمع ہو جائے تو سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوۃ دینے کی گنجائش ہے۔

(۲) امام مالک: : سال کا گزرنا ضروری ہے۔

بعض شارحین کہتے ہیں کہ حقیقتا جب صاحب نصاب ہو گیا تو اب زکوۃ واجب ہوگی لہذا اتمام سال سے پہلے زکوۃ نکالے تو حرج نہیں ہوگا۔

سوال : (۹۶) **ليس على المسلم صدقة فى عبده ولا فرسه.**

غلام، گھوڑے میں وجوب زکوۃ کے متعلق ائمہ کرام کے مسالک کی وضاحت کریں اور اگر بغرض تجارت ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب : غلام اور گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے جب کہ وہ عین ہو اگر کوئی ان دونوں کی تجارت کرتا ہے تو اب ان میں عندالجمہور زکوۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ اب وہ غلام اور گھوڑے نہیں رہے بلکہ وہ مال تجارت بن گئے اور مال تجارت میں زکوۃ واجب ہے ان دو مسائل میں تو اتفاق ہے کہ جو گھوڑے سواری کتے ہیں ان میں زکوۃ نہیں اور جو گھوڑے تجارت کے لیے ان میں زکوۃ ہے۔

ہاں اختلاف تو اس میں ہیں کہ جو گھوڑے تناسل کے ہیں اور جو سائمہ ہیں اس میں زکوۃ ہے یا نہیں؟

(۱) ائمہ ثلاثہ : ان پر زکوۃ نہیں ہے۔

دلیل : (۱) **ليس على المسلم صدقة فى عبده ولا فرسه.**

(۲) اور حضرت علیؓ کی روایت " **قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق** "

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ: ان دونوں میں زکوۃ ہے۔

دلیل: وہ حدیث جس میں نبی کریم ﷺ نے گھوڑوں کی تین قسمیں بیان کی ہے اور اس میں دوسری قسم یہ ہے کہ جن گھوڑوں کو اللہ کے واسطے پالے ایسے گھوڑوں کے بارے میں اللہ کے دو حقوق کا ذکر ہے ایک حق گھوڑوں کے ظہور میں کہ دوسروں کو سواری کے واسطے دے دے اور دوسرا حق رکاب میں جس سے انہوں نے زکوۃ مراد لیا ہے۔

سوال : (۹۷) من استفاد مالا فلا زکوة علیه حتی یحول علیه الحول .
مسئلہ مذکورہ کے تمام شعبوں پر مع ذکر اختلاف ائمہ روشنی ڈالیں۔

جواب :

مال مستفاد اس مال کو کہتے ہیں جو نصاب زکوۃ کے مکمل ہونے کے بعد درمیان سال میں حاصل ہوا ہو، مال مستفاد پر جب تک سال نہ گزرے زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

مال مستفاد کی دو قسمیں ہیں :

(۱) مال مستفاد سابقہ مال کی جنس سے نہ ہو تو بالاتفاق مال مستفاد کو مال سابق میں ملایا نہیں جائے گا۔

(۲) مال مستفاد سابقہ مال کی جنس سے ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) اس کے ساتھ مال سابق کی نمو بھی ہوئی ہو یعنی نصاب کے بقدر مال تھا پھر اس میں درمیان سال میں اضافہ ہوا ہو اور یہ اضافہ سابقہ مال کی جنس سے ہو مثلا: تمیں جانور تھے اور اخیری سال تک ساٹھ ہو گئے تو اب زیادتی کو سابقہ مال کے ساتھ ملایا جائے گا اور دونوں کو سال ایک ہی شمار کیا جائے گا۔یعنی مکمل ساٹھ پر زکوۃ واجب ہوگی اور اگر جنس میں فرق ہو تو زائد مال کا سال الگ شمار کیا جائے گا۔(۲) مال مستفاد سابقہ مال کی جنس سے یو ہے لیکن اسکی نمو نہیں ہوئی ہے بلکہ ملک کے کسی سبب جدید کی وجہ سے حاصل ہوا ہو مثلا: کسی کے پاس نقد روپیہ موجود تھا اور دوران سال اس کو کچھ روپیہ مزید ہبہ یا وراثت کے طور پر مل گیا تو اب اس صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

(۱) ائمہ ثلاثہ : اس قسم کے مال مستفاد کو ملایا نہیں جائے گا بلکہ اس کا سال الگ شمار کیا جائے گا۔

دلیل : عن ابن عمرؓ قال : من استفاد مالا فلا زکوة علیه حتی یحول علیه الحول عند ربه. (ترمذی)

(۲) امام ابوحنیفہ : اس قسم کے مال مستفاد کو سابق مال میں ملایا جائے گا، اور زکوۃ سابق مال کے ساتھ ادا کی جائی گی۔

كتاب فضائل المدينة

(جمع وترتیب : مولوی فائق اللّٰہ)

سوال:(۹۸) عن عائشه زوج النبی ﷺ ان رسول الله ﷺ قال لها ،الم تری ان قومک حين بنوا الكعبة اقتصروا عن قواعد ابراهيمؑ فقلت يارسول اللهﷺ !الاتردها على قواعد ابراهيم ،قال : لو لا حدثان قومک بالكفر لفعلت فقال عبد اللهؓ لئن كانت عائشةؓ سمعت هذا من رسول الله ﷺ ماارى رسول الله ﷺ ترک استلام الركنين الذين يليان الحجر الا ان البيت لم يتمم على قواعد ابراهيم .(بخاری : ۱۵۵۹۔فتح الباری : ۱۵۸۳)

ترجمہ،خانۂ کعبہ کومختصر کرنے کی وجہ کیا ہے؟حجر سے کیا مراد ہے؟نیز آپ ﷺ کس کا استلام کیا کرتے تھے؟

جواب: ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا دیکھتی نہیں کہ جب تمھاری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی اور ابراہیمؑ کی بنیادوں سے کم کردیا،تو میں نے عرض کیا،یارسول اللہ ﷺ! پھر آپ (ﷺ) ابراہیمؑ کی بنیادوں پر اسکو کیوں نہیں بنواتے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:اگر تیری قوم ابھی نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی تو بے شک میں ایسا ہی کرتا،ابن عمرؓ نے فرمایا : میں سمجھتا ہوں کہ یہی وجہ تھی جو آنحضرت ﷺ ان دونوں رکنوں کا استلام ترک کردیتے تھے،جو حطیم سے متصل تھے،کیونکہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کی بنیاد پر نہیں تھا۔

خانۂ کعبہ کومختصر کرنے کی وجہ: قریش حلال کمائی سے خانہ کعبہ کی تعمیر کرنا چاہتے تھے،وہ حرام کمائی سے خانہ کعبہ کی تعمیر کو اچھا نہیں سمجھتے تھے،لہذا روپے کی کمی کی وجہ سے خانہ کعبہ کو چھوڑ دیا اور مختصر کردیا،اور حطیم کو خانہ کعبہ سے خارج کردیا۔

حجر سے مراد : یعنی وہ دیوار جو کعبہ کے مغربی جانب ہے۔

نبی کریم ﷺ حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام اور تقبیل کیا کرتے تھے،اسلئے کہ دونوں رکن کعبہ کے حقیقی رکن ہے۔

(جمع وترتیب : مولوی عبدالغفور انڈمان)

سوال : (۹۹) **لا تشد الرحال إلا على ثلاثة مساجد....**

ترجمہ: مساجد ثلاثہ کی تعین؟ کسی بزرگ کی قبر کی زیارت کا کیا حکم ہیں؟ بصورت جواز ظاہری حدیث سے تعارض کا جواب؟ نبی کریم ﷺ کے قبر اطہر کی زیارت کی نیت سے سفر کا عندالعلماء کیا حکم ہے؟

جواب: نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:"تین مسجدوں کے سوا کجاوہ نہ باندھا جائے۔مساجد کا لفظ نماز کی طرف مشیر ہے اور وہاں جانے کا مقصد بھی نماز ہی ہے۔

امام طحاوی: ثواب کی زیادتی فرض میں ہے نہ کہ نفل میں کیونکہ نوافل تو گھر میں پڑھی جاتی ہیں۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سفر کا اہتمام کرنا صرف انہیں مساجد کی طرف درست ہے، کیونکہ انمیں نمازوں کی فضیلت ہے۔ان کے علاوہ دنیا کے تمام مساجد فضیلت کے اعتبار سے برابر ہیں۔لہذا ان تین کے علاوہ حصول ثواب کیلئے رخت سفر باندھنا بے فائدہ ہوگا۔

یہ تین مساجد انبیاء ہیں

(۱)مسجد حرام۔قبلۃ الناس ہے۔

(۲)مسجد اقصی۔کیونکہ ماقبل کی امت کا قبلہ ہے۔

(۳)مسجد نبوی۔اسس علی تقوی ہے۔

ان فضائل کی بنا پر انکی طرف سفر کرنے کی اجازت ہے۔

کسی بزرگ کی زیارت یا دیگر مقامات متبرکہ کی طرف سفر کرنا تبرک یا نماز کے قصد سے،اس میں اختلاف ہے۔

(۱) شیخ ابومحمد جوینیؒ: حرام ہے۔

(۲) قاضی حسین، قاضی عیاض مع ایک اور جماعت اسی کے قائل ہیں

دلیل:

حضرت ابو ہریرہؓ کوہ طور پر گئے تھے تو آنے کے بعد ملاقات حضرت ابوذر غفاریؓ سے ہوئی تو فرمایا: اگر میری جانے سے پہلے ملاقات ہوتی تو روک دیتا اور اسی حدیث سے استدلال کیا، کیونکہ مستثنی مفرغ ہے اور مستثنی منہ محذوف ہے لہذا عموم ہوگا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی بھی جگہ کی طرف سفر نہ کرو

امام الحرمین اور شافعیہ: **لا یحرم** ۔ (حرام نہیں ہے)۔

(۱) اس حدیث کے متعلق جواب دیا کہ مستثنی منہ مساجد ہی ہے اس لئے کہ مستثنی منہ میں عموم ہے لیکن مستثنی میں مساجد کا ذکر ہے۔ لہذا اس کو فقط مساجد پر محمول کیا جائے گا، چنانچہ مراد یہ ہے کہ فضیلت تامہ صرف انہیں تین مساجد میں ہوگی البتہ دوسری طرف سفر کرنا جائز ہوگا۔

(۲) امام احمدؒ کی ایک روایت میں "**لاینبغی**" کا لفظ ہے۔ (**لا ینبغی للمطی أن تعمل** اور یہ لفظ تحریم کیلئے نہیں آتا ہے) (مسند احمد: ح/۱۱۶۰۹)۔

(۳) نہی مخصوص ہے اس شخص کے ساتھ جو ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو وفا (پورا) کرنا واجب نہیں ہے۔

(۴) مسجد کی طرف قصد کرنے کی ممانعت ہے۔ ای **لا تشدوا الرحال إلی مسجد من المساجد للصلاۃ فیه غیر هذه المساجد الثلاثة**۔ لہذا مسجد کے علاوہ صالحین کی زیارت رشتہ دار کی زیارت یا دوستوں کی ملاقات یا طلب علم کے قصد سے یا تجارت کی غرض سے یا تفریح کا قصد کرنا ممانعت میں داخل نہیں ہوگا۔

اس کی تائید امام احمدؒ کی روایت کرتی ہے: "**قال رسول الله ﷺ: لا ینبغی للمطی أن یشد رحاله إلی مساجد تبتغی فیه الصلاۃ غیر المسجد الحرام و المسجد الاقصی و مسجدی**"۔

(۵) مراد اعتکاف کا قصد ہے۔ اس کی نیت سے قصد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اگر کوئی ان تین مساجد میں نماز کی نذر مانے تو....؟

ائمہ ثلاثہؒ: نذر منعقد ہوگی۔

امام شافعیؒ "ام" میں فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں واجب ہے برخلاف دونوں مساجد کے۔

احناف: نذر مطلقا واجب نہیں ہوگی۔

ابن منذر: حرمین میں واجب ہے نہ کہ مسجد اقصی میں۔

دلیل: "**إن رجلاً قال للنبی ﷺ: إنی نذرت إن فتح الله علیک مکة أن اصلی فی بیت المقدس، قال: صل هٰهنا**" (ابوداود: ح/۳۳۰۵)۔

ان تین مساجد کے علاوہ کسی بھی مساجد کی نذر مانے تو پورا کرنا واجب نہیں ہے (فتح: ۳/۶۴)

صالحین کی زیارت کیلیے جانا عندالشوافع درست ہے کوئی حرج نہیں۔

روایت کا جواب: فضیلت تامہ ان مساجد کی طرف کوچ کرنے میں ہے ان کے علاوہ میں نہیں۔

سوال: (۱۰۰) **أن رسول الله ﷺ طلع له احد فقال: هذا جبل یحبنا و یحبه**

ترجمہ، یحبنا و یحبہ کے باب میں علماء کے مختلف اقوال

جواب:

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ کو جبل احد نظر آیا تو فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے لیکن عام ذہن کے اعتبار سے پہاڑ محبت کرے یہ سمجھ نہیں آتا اس لئے بعض حضرات نے اس سے مجاز مراد لیا ہے کہ سب سے پہلے وہی پہاڑی نظر آتی تھی جسے دیکھ کر خوشی ہوتی تھی۔ یا یہ کہ جو حضرات پہاڑی کے قریب رہتے تھے اس سے محبت مراد ہے لیکن حقیقت پر بھی محمول کر سکتے ہیں۔ محقق شارحین نے یہی کہا ہے کہ ان میں بھی ادراک کی صلاحیت ہوتی ہے جیسے پہاڑوں کا حضرت داود کے ساتھ تسبیح پڑھنا، درختوں کا آپ ﷺ کو سلام کرنا۔

کتاب الصوم

(جمع وترتیب : مولوی ثاقب کوارے)

سوال : (۱۰۱) عن جابر بن عبداللهؓ قال :كان رسول الله ﷺ فى سفر، فرأى زحاماورجلا قد ظلل عليه ،فقال : ما هذا ؟ فقالوا صائم ، فقال : ليس من البر الصوم فى السفر .(بخاری :۱۹۰۴ فتح الباری : ۱۹۴۶)

ترجمہ،حدیث کا پس منظر،صیام فی السفر کے متعلق اقوال ائمہ مع الادلہ قلمبند کیجیے۔

جواب :ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے،تو آپ ﷺ نے بھیڑ دیکھی اور ایک شخص کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا، یہ روزہ دار ہے،تو آپ ﷺ نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

مذکورہ ترجمہ سے **ليس من البر الصوم فى السفر** کا پس منظر ظاہر ہے۔

صیام فی السفر کے متعلق اقوال ائمہ:

حالت سفر میں روزہ رکھنا بالاتفاق جائز ہے،لیکن افضلیت کے بارے میں اختلاف ہے۔

(۱) امام احمد کے نزدیک سفر میں افطار افضل ہے، رخصت پر عمل کرتے ہوئے۔

دلیل : ليس من البر الصيام فى السفر

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو روزہ رکھنے پر قادر ہو اور سفر میں روزہ رکھنے سے مشقت نہ ہو تو اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے۔

جمہور کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب مشقت شدیدہ کا خدشہ ہو اور اس صورت میں ہم بھی افطار کے افضلیت کی قائل ہیں،اور یہ حدیث بھی ایسے شخص کے بارے میں ہے جو روزہ رکھ کر شدید مشقت کی وجہ سے موت سے قریب ہو گیا تھا۔

(۳) بعض کا کہنا ہے کہ مطلق اختیار ہے چاہے تو روزہ رکھے چاہے تو افطار کرے۔

(۴) بعض کا کہنا ہے کہ ان دونوں میں افضل یعنی جوان میں زیادہ آسان ہو (یعنی جس پر روزہ رکھنا آسان ہو اس پر روزہ رکھنا افضل ہے،اور جس پر افطار آسان ہو اس پر افطار افضل ہے) یہ قول عمر بن عبدالعزیز کا ہے اور ابن منذر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

دلیل : يريد الله بكم اليسر

(۵) اہل ظواہر : سفر میں روزہ رکھنا یہ فرضیت کی طرف سے کافی نہیں ہوگا، بلکہ جو سفر میں روزہ رکھے تو اس پر اس کی قضاء واجب ہے۔

دلیل : فمن كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام اخر اور نبی کریم ﷺ کا قول **ليس من البر الصيام فى السفر** حدیث سے استدلال اس طرح کرتے ہیں کہ ''بر'' کے مقابلہ میں ''اثم'' ہے، جب وہ روزہ رکھنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا تو روزہ رکھنا یہ کافی نہیں ہے۔

سوال:(۱۰۲) **ما كنت اقصى ما يكون عليّ من رمضان إلا فى شعبان ، حتى توفى رسول الله ﷺ** (ترمذی : ح/ ۷۸۳)

ترجمہ،تاخیر کا سبب کیا تھا؟ قضاء رمضان کی تاخیر کی گنجائش ہے؟ اگر قضا کو آئندہ رمضان سے بھی مؤخر کرے تو عندالائمہ کیا حکم ہے؟

جواب:

ترجمہ:

مجھ پر رمضان کے جو روزے باقی ہوتے ، میں انکی قضا نہیں کرتی تھی مگر شعبان میں (میں انکی قضا شعبان میں ہی کرتی تھی) یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔

سبب تاخیر کے سلسلہ میں حدیث مبارکہ میں راوئ حدیث یحي کا مدرج کلام موجود ہے جسمیں وہ فرماتے ہیں کہ مانع یعنی روکنا نبی کریم ﷺ کی وجہ سے یا نبی کریم ﷺ کی طرف سے ہوتا تھا، یعنی ماں عائشہؓ نبی کریم ﷺ کے استمتاع کے لئے اپنے کو ہر وقت تیار رکھتی تھیں۔اسلئے کہ اماں عائشہ نہیں جانتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ کو کب ضرورت پیش آئے اور اجازت اس اندیشہ سے نہ لیتی تھیں کہ ایسا نہ ہو کہ اجازت مل جائے پھر نبی کریم ﷺ کو ضرورت پیش آئے۔

لیکن حافظ صاحبؒ نے اس زیادتی کو ضعیف قرار دیا ہے اسلئے کہ نبی کریم ﷺ اپنے ازواج مطہرات کیلئے باری تقسیم کرتے تھے اور عدل وانصاف سے کام لیتے تھے اور جب کسی زوجۂ مطہرہ سے انکی باری کے علاوہ میں قریب ہوتے تو جماع نہ فرماتے بلکہ صرف بوس وکنار کرتے ، لہذا اس میں کوئی مانع صوم موجود نہیں۔

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر آپؐ روزہ نہ رکھتیں اور آپ ﷺ اجازت نہ دیتے اس احتمال سے کہ کہیں حاجت نہ پیش آجائے۔ البتہ جب وقت قضا تنگ ہوجاتا تو آپ ﷺ اجازت مرحمت فرماتے ، نیز رسول اللہ ﷺ شعبان میں بکثرت روزے رکھتے ، تو آپؐ کو شعبان ہی میں روزے رکھنا ممکن ہوتا۔

اس حدیث مبارکہ سے دلالت ہوتی ہے کہ آئندہ رمضان تک تاخیر قضا کی گنجائش ہے، البتہ اس سے مؤخر کرنا جائز نہیں۔ (اس لئے کہ اگر مزید تاخیر کی گنجائش ہوتی تو ماں عائشہؓ شعبان میں قضا کرنے کا اتنا اہتمام نہ فرماتیں)۔

اگر قضا کو آئندہ رمضان سے مؤخر کرے تو عندالجمہور قضا کے ساتھ اطعام بھی واجب ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک اطعام نہیں ہے۔

سوال: (۱۰۳) **من صام اليوم الذى يشک فيه الناس فقد عصى أباالقاسم ﷺ** (ترمذی : ح/ ۶۸۶)۔

ترجمہ، یوم الشک سے کونسا دن مراد ہے؟ یوم الشک کے روزے کے متعلق ائمہ کرام کے اقوال، عندالائمہ ۱۵/شعبان کے بعد روزوں کا حکم؟

جواب: ترجمہ: جس نے اس دن روزہ رکھا جس کے بارے میں لوگوں کو شک ہو تو اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔

یوم الشک سے ۳۰/شعبان مراد ہے، جبکہ لوگوں میں رؤیت ہلال کا چرچا ہو لیکن رؤیت ثابت نہ ہو، یا ایسے لوگ رؤیت کی گواہی دیں جس کی گواہی معتبر نہیں۔ جیسے: غلام، فاسق، وغیرہ۔

یوم الشک کے روزے کے متعلق ائمہ کرام کے اقوال:

الف: امام احمدؒ: یوم الشک میں رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا واجب ہے۔

ب: امام شافعیؒ: یوم الشک میں فرض یا نفل مطلق کی نیت سے روزہ رکھنا جائز نہیں، البتہ قضا، کفارہ، نذر یا عادت والے نفل روزے رکھنا جائز ہے۔

ج: امام مالک وامام ابوحنیفہؒ: رمضان کے روزے کی نیت سے روزہ رکھنا جائز نہیں، اس کے علاوہ کوئی بھی روزہ جائز ہے۔

عندالائمہ ۱۵/شعبان کے بعد نفل روزوں کا حکم:

جمہور علماء کرام: ۱۵/شعبان کے بعد نفل روزے رکھنا جائز ہے، اور ممانعت کی حدیث کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔

شوافع: بلاسبب شعبان کے نصف ثانی میں روزے رکھنا حرام ہے۔

سوال: (۱۰۴) **لا يتقدمن احدكم رمضان بصوم يوم** .... ترجمہ، شہر کی اضافت کے بغیر رمضان کہنے کا حکم؟

جواب: **لا يتقدمن احدكم رمضان بصوم يوم او يومين إلا أن يكون رجل كان يصوم صومه ، فليصم ذلک اليوم** (فتح الباری : ح/ ۱۹۱۴)

ترجمہ: تم میں سے کوئی رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے، الا یہ کہ کوئی شخص اپنے روزے رکھ رہا ہو تو وہ اس دن بھی روزہ رکھے۔

جمہور کے نزدیک شہر کی اضافت کے بغیر رمضان کہنا جائز ہے، اور اکثر شافعیہ کے نزدیک اگر کوئی ایسا قرینہ ہو جو معنیٔ شہر کی طرف پھر رہا ہو تو شہر کی اضافت کے بغیر کہنا جائز ہے۔

سوال:(۱۰۵) **من مات و علیه صیام فلیطعم عنه**۔ترجمہ،عندالائمہ اطعام وصوم من المیت کاحکم مع ادلہ،بصورت اطعام عندالائمہ مقدار طعام کیا ہوگی؟

جواب:**من مات و علیه صیام شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا**۔(ترمذی:ح/۷۱۸)

ترجمہ:جوشخص وفات پاجائے اوراس کے ذمہ ماہ رمضان کے روزے ہوں،تواس کا ولی اسکی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کوکھلائے۔

میت کی طرف سے طعام وروزہ رکھنے کاحکم:

(۱)امام مالک،امام ابوحنیفہ اورامام شافعی رحمہم اللہ کاقول جدید:میت کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جائے گا بلکہ صرف اطعام کی گنجائش ہے۔

دلیل:

۱)**عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال: من مات و علیه صیام شهر ، فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا**(ترمذی:ح/۷۱۸)۔اس حدیث میں میت کے روزوں کی قضا کے لئے اطعام کا ذکر ہے،روزہ کانہیں۔

۲)حدیث ابن عباسؓ: **لا یصلی أحد عن احد ، و لا یصوم احد عن احد** (السنن الکبری للنسائی: ح/ ۲۹۳۰)۔

۳)ماں عائشہؓ کا اثر: **لا تصوموا عن موتاکم و أطعموا عنهم** (السنن الکبری للنسائی : ح/ ۲۲۳۲)۔

(۲)امام احمد،لیث،اسحٰق رحمہم اللہ کا مسلک:میت کی طرف سے صرف نذر کے روزے رکھنے کی گنجائش ہے،بقیہ روزوں کی طرف سے اطعام ہوگا۔

دلیل:

ابن عباسؓ کی حدیث: **جاء ت امرأة إلی النبی ﷺ فقالت: إن أختی ماتت و علیها صوم شهرین متتابعین ؟**....(سنن الترمذی:۷۱۶)۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے روزہ رکھنے کاحکم دیا اور" **شهرین متتابعین** "کا لفظ بتلا رہا ہے کہ یہ روزے نذر کے تھے،اسی طرح بخاری میں الفاظ ہیں:

"**عن ابن عباسؓ : قالت امرأة للنبی ﷺ : إن أمی ماتت و علیها صوم نذر....**" (فتح الباری:ح/۱۹۵۳)۔اس حدیث ابن عباس کے ذریعہ حنابلہ نے حدیث عائشہ کے عموم میں تخصیص کی اور صوم نذر کا استثنا کیا۔

(۳)امام شافعیؒ کا قول قدیم:امام شافعیؒ نے اجازت صیام کو صحت حدیث پر معلق کیا ہے،اور یہی قول از روئے صحت دلیل (صحت دلیل کی بناپر) عندالشوافع راجح ہے۔

دلیل:

من مات و علیه صیام ، صام عنه ولیه۔(فتح الباری:ح/۱۹۵۲؛ابوداود:ح/۳۳۱۱؛مسلم:ح/۱۱۴۷؛سنن الکبری للنسائی:ح/۲۹۳۰)

بصورت اطعام طعام کی مقدار:

۱)احناف:گیہوں میں سے نصف صاع اور دیگر چیزوں میں سے ایک صاع۔

۲)حنابلہ:گیہوں میں سے ایک مد اور کھجور،جووغیرہ میں سے نصف صاع۔

۳)شوافع ومالکیہ:تمام اشیاء میں سے ایک مد۔

سوال : (۱۰۶) **کان النبی ﷺ یدرکه الفجر فی رمضان من غیر حلم فیغتسل ویصوم .** (جمع وترتیب:مولوی فرحان پٹیل)

ترجمہ،بحالت جنابت صبح صادق ہوجائے تو اس دن کے روزہ کے متعلق مذاہب ودلائل نقل کیجیے۔

جواب :ترجمہ :

نبی کریم ﷺ کو فجر پالیتی تھی،رمضان میں احتلا کے علاوہ میں یعنی جماع سے،تو آپ ﷺ غسل کرتے اور روزہ رکھتے۔

مذاہب ودلائل :

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا: تمام صحابہ وتابعین کا اجماع ہے جنبی کے روزہ کی صحت میں،چاہے احتلام کی وجہ سے جنبی ہو یا جماع کی وجہ سے۔

دلیل : ''حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہؓ کی احادیث، یہ دونوں فرماتی ہیں: '' **ان النبی ﷺ کان یدرکہ الفجر وھو جنب من اھلہ ثم یغتسل فیصوم**'''' (رواہ الترمذی)

اور بعض ائمہ کے درمیاں اس سلسلہ میں اختلاف ہوالیکن بعد میں ان سب نے رجوع کرلیا۔

حضرت ابوھریرہؓ اور حسن بن صالح بن حی سے ابطال کا قول نقل کیا گیا۔

دلیل : حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث:'' **من اصبح جنبا فلا صوم لہ** '' آپ ﷺ نے فرمایا: جو جنابت کی حالت میں صبح کرے تو اس کے لیے روزہ نہیں ہے ۔(رواہ الشیخان) لیکن بعد میں ان حضرات نے بھی اس سے رجوع کرلیا جیسا کہ مسلم کی روایت میں اس کی صراحت ہے۔

اور اسی طرح ایک قول طاوس اور عروہ ک ابھی ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر اس کو جنابت طاری ہو تو روزہ صحیح نہیں ہوگا ورنہ صحیح ہوگا۔

اور اسی طرح سالم بن عبداللہ، حسن بصری اور حسن بن صالح سے ایک قول نقل کیا گیا یہ فرماتے ہیں، روزہ تو رکھے لیکن اس کی قضاء کرے۔

حاصل کلام :

بعد میں چل کر تمام کا اختلاف ختم ہوا اور تمام کا اجماع ہوا کہ جنابت کی حالت میں روزہ رکھے تو صحیح ہوگا اور قضاء بھی نہیں ہے۔(تحفۃ الاحوذی:۴۲۷/۳)

سوال :(۱۰۷) **قال رسول اللہ ﷺ : لا یصوم احدکم یوم الجمعۃ الا ان یصوم قبلہ او یصوم بعدہ** .(ترمذی)

ترجمہ، اور اس نہی کی حکمتیں تحریر کیجیے۔ بروز جمعہ عندالائمہ مختلف روزوں کے حکم کو مفصلا لکھیے۔

جواب :ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میں سے جمعہ کے دن کوئی روزہ نہ رکھے مگر یہ کے اس پہلے یا بعد میں روزہ رکھے۔

نہی کی حکمتیں :

(۱) اس لیے کہ وہ عید کا دن ہے، اور عید کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔

(۲) تاکہ عبادت کرنے میں ضعف پیدا نہ ہو۔

(۳) اس کی تعظیم میں مبالغہ کے خوف کی وجہ سے منع فرمایا۔

(۴) اس خوف کی وجہ سے کہ ان پر جمعہ کا روزہ فرض نہ کیا جائے۔

(۵) نصاری کی مخالفت کرتے ہوئے۔

جمعہ کے دن روزوں کا عندالائمہ حکم :

(۱) امام ابوحنیفہ، امام مالک : اس دن روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے۔

دلیل : حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث : ''**قل ما کان یفطر یوم الجمعۃ** '' نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن بہت کم افطار کرتے تھے۔

(۲) بقیہ تمام ائمہ اور جمہور کے نزدیک جمعہ کے دن کا تنہا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

دلیل : حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث : آپ ﷺ نے فرمایا:'' **لا یصوم احدکم یوم الجمعۃ الا ان یصوم قبلہ او یصوم بعدہ**''(ترمذی)

مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جمہور نے صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ قرار دیا ہے۔(تحفۃ الاحوذی)

از : طلبۂ دورۂ حدیث
۱۴۳۶/۳۷ھ ۲۰۱۵/۱۶ء

کتاب البیوع

(جمع وترتیب : مولوی عطاء الرحمٰن ٹھاکور)

سوال :(۱۰۸) **المتبايعان كل واحد منهما بالخيار على صاحبه مالم يتفرقا ، إلا بيع الخيار .**

ترجمہ،إلا بيع الخيار کی تشریح کیجیے، مسئلہ خیارِ مجلس مفصل ومدلل مع اختلاف الائمہ نذرِقرطاس کریں۔

جواب : ترجمہ: بائع مشتری میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی پر خیار حاصل ہوگا، جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں، سوائے بیع خیار کے۔

إلا بيع الخيار کا مطلب کیا ہے؟

بعض حضرات نے اسکو منقطع سمجھا ہے۔

امام نوویؒ نے اس میں تین تأویلات اہل علم کی بیان کی ہے۔

(۱) راجح قول یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد مفارقت مجلس سے عقد لازم ہوگا، مگر یہ کہ عاقدین مجلس ہی میں عقد کو اختیار کرے، یعنی ایک دوسرے سے اسکو اختیار کرنے کو کہے، تو دوسرا اسکو اختیار کرے، تو اب یہ بیع مفارقت سے پہلے ہی لازم ہوجائے گی، اس معنی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد لزوم عقد کی عندالشوافع دو صورتیں ہیں۔(۱) یا تو جدا ہوجائے (مفارقت مجلس) (۲) یا مجلس ہی میں بیع کو منظور کرلے، پھر مفارقت مجلس سے پہلے بھی اسکو اختیار کرنے سے یہ عقد لازم ہوگا۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہیکہ، ہاں مگر ایسی بیع، جس میں خیار کی شرط لگائی گئی ہو تو مجلس سے جدائیگی کے بعد بھی خیار ختم نہ ہوگا، مدت کے ختم ہونے تک۔ مثلاً : یہ کہ کوئی ایک یا دو دن کے خیار کی شرط لگائے۔ گویا اس سے خیار شرط کے معنی پر دلالت ہوتی ہے، اس معنی کو احناف نے ترجیح دی ہے۔

(۳) **إلا بيعا شرط فيه أن لا خيار**. یعنی مجلس ہی میں شرط لگائے کہ ہمکو خیار مجلس نہیں ہے، تو پھر ایسی صورت میں ایجاب وقبول سے ہی عقد تام ہوگا، مگر یہ شاذ اور ضعیف قول ہے۔

☆ خیار کا مطلب بہتر امر کو طلب کرنا، بیع میں خیار کا مطلب نافذ کرنا یا فسخ کرنا، دونوں میں سے کسی ایک امر کو طلب کرنا۔

خیار کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) خیار مجلس (۲) خیار شرط (۳) خیار عیب۔

خیار مجلس : مطلب یہ ہے کہ بیع کے وقت عاقدین کو مجلس کی جدائیگی سے پہلے ایجاب وقبول کے بعد بیع کو فسخ کا اختیار رہتا ہے، اسکو خیار مجلس کہتے ہیں۔

خیار شرط : عاقدین میں سے کوئی دو یا تین دن کے خیار کی شرط لگائے۔

خیار عیب : مشتری کو عیب پر مطلع ہونے کے بعد لوٹانے کا حق ہوتا ہے۔ اس میں تو تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔

البتہ خیار مجلس کے متعلق اقوال مختلف ہیں۔ جسکا بیان آگے آرہا ہے۔

☆ ایک اور بحث یہ ہے کہ خیار شرط میں مدت کی مقدار کیا ہونی چاہیے؟

بعض حدیث میں تو شرط کا بیان ہے، جیسا کہ بخاری میں موجود ہے، لیکن اسکی کوئی مدت بیان نہیں ہوئی ہے، لہذا ابن منیرؒ فرماتے ہیں کہ عاقدین پر اسکا مدار ہوگا۔

لیکن بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث بیہقی وغیرہ میں حدیث موجود ہے، جس میں مدت کی صراحت ہے : **الخيار ثلاثة أيام**. اسی طرح ایک صحابی کے ساتھ بیع میں دھوکہ کا معاملہ ہوتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''لا خلابة'' کہو، اور تین دن تک تم کو خیار ہے، لہذا ان دلائل کے پیش نظر

(۱) امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تین دن تک خیار حاصل ہوگا۔

(۲) امام مالکؒ، احمدؒ، اسحاقؒ، صاحبین من الحنفیہ تین دن کے قائل نہیں ہے۔ انکا کہنا ہے کہ یہ مدت یہ اس چیز کی تھی، اور ہر چیز کے اعتبار سے مدت میں فرق ہوگا، تین دن کی ہی مدت متعین نہیں ہے۔

جواب : مگر یہ درست نہیں ہے، اسلئے کہ مصنف میں ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص سے چار دن کے خیار پر کوئی چیز لی، تو آپ ﷺ نے فسخ کیا اور کہا کہ خیار تین دن ہے۔ اسی طرح یہ حدیث دارقطنی اور بیہقی میں موجود ہے۔

☆ دوسری بحث خیار مجلس ہے، اسمیں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اسکے قائل نہیں ہے، یعنی مجلس کی بناء پر بیع کو فسخ کا حق نہ ہوگا۔

(۲) امام احمدؒ، امام شافعیؒ خیار مجلس کے قائل ہیں، امام نوویؒ نے اسکو جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔

دلائل امام احمد و امام شافعیؒ

مذکورہ حدیث یعنی المتبایعان کل واحد منهما بالخیار علی صاحبه مالم یتفرقا ، إلا بیع الخیار (بخاری)

اسی طرح مسلم شریف میں بھی حدیث ہے اور امام مسلمؒ نے اسکے توابع وشواھد بھی کافی بیان کئے ہیں، اسی طرح ابن عمرؓ کے علاوہ دیگر صحابہ سے بھی منقول ہے، اور جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کا بھی یہی موقف ہے، جیسا کہ امام نوویؒ نے بیان کیا ہے۔

دلائل امام ابوحنیفہ اور امام مالکؒ

(۱) قرآن : اللہ تعالی کا ارشاد ہے **یأیها الذین اٰمنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم.**

ترجمہ : اے ایمان والو! آپس میں اپنا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ، البتہ باہمی رضامندی سے واقع ہونے والی تجارت کو کھاسکتے ہیں۔

وجہ استدلال یوں ہے کہ باہمی رضامندی کا ثبوت ایجاب وقبول پر ہوتا ہے، اور اسکو شریعت نے درست قرار دیا ہے، تو ماحاصل یہ ہے کہ جب باہمی رضامندی ہو تو عقد لازم ہوگا، اگر اسکے بعد بھی عقد کو لازم نہ کرے، اور فسخ کا اختیار دے تو پھر **تجارة عن تراض منکم.** کے معنی کیسے ثابت ہونگے؟ اسی طرح حدیث میں ہے کہ **من ابتاع طعاما لا تبع حتی یستوفیه** یعنی قبل القبض بیع منع ہے، تو مجلس سے جدا ہونے سے پہلے اگر بیع کو لازم نہ مانے تو پھر ایجاب وقبول سے عقد کے لازم ہونے کے معنی لازم آتے ہیں۔

جواب : امام نوویؒ فرماتے ہیں: کہ اگر ہم اسکو ثابت مانیں تو اس سے قرآن پر زیادتی نہیں ہے، بلکہ آیت کریمہ **تجارة عن تراض منکم.** عام ہے اور حدیث ابن عمرؓ خاص ہے، لہذا تخصیص کی جائے گی، یعنی باہمی رضامندی سے عقد منعقد ہوتا ہے، لیکن اس عقد میں عاقدین کو خیار مجلس حاصل ہوگا۔

(۲) اور یہ عقلی اعتبار سے نکاح کی طرح ہے کہ اس میں مال کا تبادلہ ہوتا ہے، اور دونوں عقد معاوضہ ہیں، تو نکاح ایجاب وقبول سے لازم ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی ایجاب وقبول سے لازم ہوگا۔

جواب : اسکا جواب یہ ہے کہ من وجہ نکاح اور بیع میں فرق ہے، فرق یہ ہے عقد بیع خالص مال مقصود ہوتا ہے، جبکہ نکاح میں خالص مقصود نہیں ہوتا ہے، لہذا اسکو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا، اسلئے کہ اگر نکاح میں فاسد شرط لگائے تو نکاح فاسد نہ ہوگا، اور بیع فاسد ہوگی، تو دونوں میں معاوضہ ہونے کے باوجود من وجہ فرق ہے۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ **ما لم یتفرقا** سے احناف یہاں تفرق سے تفرق بالاقوال مراد لیتے ہیں۔

جواب : مگر یہاں تفرق کو تفرق بالابدان پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے، اور حدیث کے ظاہر کا تقاضہ ہے، اور راویٔ حدیث حضرت ابن عمرؓ نے بھی اس سے تفرق بالابدان مراد لیا ہے، ابن عمرؓ جب بیع کرتے تو خیار کو ختم کرنے کے لئے کچھ چلا کرتے تھے، اور خود انکے یہاں بھی اصول ہے کہ راوی، حدیث کے معنیٰ کو خوب جانتا ہے، لہذا اس اصول کے تحت بھی اسکو ترجیح ہونی چاہیے، اسلئے کہ راوی حدیث ابن عمرؓ اور اس طرح ابو برزہ اسلمیؓ اس سے تفرق بالابدان مراد لیتے تھے، اور صحابہ کی جانب سے ان کی مخالفت بھی وارد نہیں ہے۔

(۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ یہ **المسلمون علی شروطهم** سے منسوخ ہے، لہذا دونوں نے قبول کیا تو خیار کی بناء پر فسخ نہیں کرسکتے، اور اگر عقد کے لزوم کے بعد بھی خیار حاصل رہے تو یہ شرط کو فاسد کردے گی، اسی طرح آیت کریمہ **واشهدوا اذا تبایعتم** سے بھی منسوخ ہے۔ مگر حافظ صاحبؒ نے جواب دیا ہے کہ احتمالات سے فسخ کا دعوی درست نہیں ہے، تطبیق وجمع ممکن ہے۔

(۵) ایک دلیل اپنے اصول کے تحت پیش کرتے ہیں کہ ''خیار والی'' حدیث کے راوی امام مالکؒ ہیں مگر ان کا اس پر عمل نہیں ہے۔

جواب : اسکا جواب یہ ہے کہ امام مالکؒ منفرد نہیں ہے، اسکے علاوہ اور بھی راوی ہیں، اور وہ اس پر عمل پیراہ ہیں، اور جو بھی اپنے اصول کے تحت راوی کے عمل کے قائل ہیں وہ صحابہ کے عمل کے قائل ہیں، اور یہ بات **اظهر من الشمس** ہے کہ امام مالکؒ صحابی نہیں ہے، ار یہ بات گزر چکی کہ ابن عمرؓ جو کہ صحابی ہیں، انکا عمل اسکی دلیل ہے، جو اسکی تائید کرتا ہے۔

(۶) بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ اہم مدینہ کا عمل اس کے ظاہر کے خلاف ہے۔

جواب : یہ درست نہیں ہے، اسلئے کہ حضرت ابن عمرؓ، سعید بن مسیّبؓ، زہریؒ، ابن ابی ذئبؒ، اسکے قائل ہیں، جو کہ اہل مدینہ ہیں، ابن ربیعہ کے علاوہ اسکے خلاف راوی نہیں ہے۔ اور جہاں تک اہل مکہ کا تعلق ہے تو ان میں سے کسی سے بھی اسکے خلاف مروی نہیں ہے، اور اہل مکہ میں سے عطاءؒ، طاوسؒ اور اسکے علاوہ کے فتوے گزر

چکے۔

(۷) یہ عموم بلوی کا اعتبار ہوگا، خبر واحد کا اعتبار نہ ہوگا۔

جواب : مگر یہ خبر واحد نہیں ہے، بلکہ مشہور ہے، اسکے برخلاف حدیث قہقہہ وایجاب وتر والی روایت کو مانتے ہیں اور یہ تو مشہور ہے۔

(۸) یہ قیاس جلی کے مخالف ہے۔

جواب : نص کے ہوتے ہوئے قیاس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۹) تفرق بالابدان کو اپنے مسلم بھائی کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہوئے استحباب پر محمول کریں گے۔

جواب : لیکن یہ درست نہیں ہے، اگر یہ مستحب درجہ میں ہوتا، تو ابن عمرؓ کو اتنا اہتمام کرنے کی ضرورت نہ تھی، اسی طرح ابو برزہؓ کا کسی کا واقعہ کہ انہوں نے عاقدین سے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں جدا نہیں ہوتے ہو۔

(۱۰) تفرق سے تفرق بالاقوال مراد ہے۔

جواب : اسکا جواب اوپر گزر چکا یعنی راوی حدیث کا عمل اور مزید یہ بھی کہ ایک حدیث بیہقی میں ہے، دارقطنی میں ہے، جس میں صراحت ہے کہ جب تک اپنی جگہ سے جدا نہ ہو۔

(۱۱) میاں بیوی میں تفرق کا لفظ ہے، اور وہاں اقوال مراد ہے، اور مزید یہ بھی کہ وہاں اشارہ وغیرہ بھی چل سکتا ہے۔

جواب : یہ تو قیاس ہے، بیع میں تو صحابی کا عمل صریح سے تو تفرق بالابدان پر دلالت کرتا ہے، اور یہ بھی کہ حدیث بھی تفرق بالابدان کے سلسلے میں صریح وارد ہیں۔

(۱۲) بعض متبایعان سے متساویان یعنی دو آپس میں بھاؤ تھاؤ کرنے والے مراد ہیں۔

جواب : مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ صحابی کا عمل مکمل بیع ہونے پر دلالت کرتا ہے، امام طحاویؒ نے بھی کچھ مثال دیکر اسکو مجازی معنی پر محمول کرنے کی کوشش کی ہے۔

جواب : مگر ہم نے جو حقیقت پر محمول کیا ہے وہ بے جا نہیں ہے، بلکہ صحابی کا عمل اس پر دلالت کرتا ہے۔

☆ مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی صاحب نے دلائل کو بیان کیا، اور کہا کہ اکابر صحابہ کا عمل یہی تھا، جیسا کہ امام بخاریؒ نے بیان کیا ہے، کہ تفرق بالابدان مراد ہے، لہذا اس سلسلے میں جمہور کی رائے بہتر ہے۔ واللہ وعلم بالصواب۔

کتاب الحرث والمزارعة

(جمع وترتیب: مولوی عبدالباسط کلدانے)

سوال :(۱۰۹) **عن ابی ھریرةؓ قال رسول اللہ ﷺ : من اقتنی کلبالایغنی عنه زرعا ولا ضرعانقص کل یوم من عمله قیراط**

ترجمہ،نقصان کا سبب،ایک حدیث میں قیراطین کا تذکرہ آیا ہےاسکی کیا توجیہ ہوگی؟اوراسکا محل کیا ہے؟

جواب: ترجمہ : جوشخص ایسے کتے کو پالے جواس کو نہ کھیتی کا فائدہ دے اورنہ مویشیوں کی حفاظت کا،تواس کے عمل میں سے ہردن ایک قیراط کم کیا جائے گا۔

نقصان کا سبب :

(۱) کتے کو پالنے کی وجہ سے ملائکہ گھر میں داخل نہیں ہوتے۔

(۲) کتے کے بھونکنے کی وجہ سے گزرنے والے کوتکلیف ہوتی ہے۔

(۳) کتے کو پال کراس نے شریعت کی خلاف ورزی کی،جس کی سزامیں اس کے اجرکوکم کیا جاتا ہے۔

تعارض : حضرت ابوھریرۃؓ کی ایک حدیث میں کتے کو پالنے کی وجہ سے ایک قیراط کم ہونے کا ذکرموجود ہےاوران ہی کی دوسری حدیث میں دو قیراط کے کم ہونے کا ذکر ہے،لہذااس سے تعارض لازم آرہا ہے۔

دفع تعارض :

امام نوویؒ نے اس کے سلسلہ میں چنداقوال نقل کیے ہیں:

(۱) کتے کی دوقسمیں ہیں : ان میں سے ایک دوسرے سے تکلیف دینے میں سخت ہوتا ہےاس کو پالنے کی وجہ سے دو قیراط کم ہونگے اوردوسرے کتے کو پالنے کی ایک قیراط کم ہوگا۔

(۲) قیراط کا اختلاف جگہوں کے اعتبار سے ہوگا،اگر مدینہ میں کوئی کتے کو پالے تو مدینہ کی فضیلت زیادہ ہونے کی وجہ سے دو قیراط کم ہونگے اور دیگر جگہوں میں پالنے کی وجہ سے ایک قیراط کم ہوگا۔اگرکسی شہر یابڑے گاوں میں پالےتو دو قیراط کم ہونگے اوردیہات میں پالنے کی وجہ سےایک قیراط کم ہوگا۔

(۳) یہ قیراط کااختلاف زمانے کےاعتبار سے ہوگا کہ پہلے آپﷺ کوایک قیراط کی کمی کی خبر دی گئی بعد میں دو قیراط کی۔

اسکا محل کیا ہے؟

اس میں اختلاف ہے۔(۱)اس کے دن کےاعمال میں سےایک قیراط اوررات کےاعمال میں سےایک قیراط کم کیا جائے گا۔

(۲)فرض اعمال میں سےایک قیراط اورنفل اعمال میں سےایک قیراط کم کیا جائے گا۔

کتاب فی الخصومات

جمع وترتیب: مولوی محمد محسن کلی

سوال:(۱۱۰) **بعث رسول اللہ ﷺ خیلاقبل نجد فجاء ت برجل من بنی حنیفة**

ترجمہ،رجل مذکورکانام؟مذکورہ واقعہ کی تفصیل،مسجد میں دخول مشرک کےمتعلق ائمہ کرام کےاقوال نذرقرطاس کیجیے۔

جواب :ترجمہ : آپﷺ نے کچھ سوارنجد کی جانب بھیجے وہ بنی حنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ کرلائے اوراس کومسجد کے ستون سے باندھ لیا۔

☆ رجل مذکورکانام ثمامہ بن اثال تھا۔اورمسجد کانام مسجد نبوی ہے۔

واقعہ : رسول اللہﷺ نے ایک لشکرنجد کی طرف بھیجا تو وہ بنوحنیفہ کےایک آدمی کولائے جسے(ثمامہ بن اثال)اہل یمامہ کا سردار کہا جاتا تھا۔صحابہ نے اسے مسجد کے ستونوں میں سےایک ستون کےساتھ باندھ دیارسول اللہ اس کے پاس تشریف لائے اورارشادفرمایا:اے ثمامہ کیا خبر ہے؟اس نےعرض کیا،اے محمدﷺ! خیر ہے، اگرآپ قتل کرے تو ایک خونی آدمی کوقتل کریں گےاوراگرآپ احسان فرمائےتوایک شکرگزارآدمی پراحسان کریں گےاوراگرآپ مال کاارادہ کرتے ہیں تو مانگیے آپ کی چاہت کےمطابق عطا کیا جائے گا آپ اسے وہی چھوڑ کرتشریف لے گئے پھراگلے دن بھی یہی سوال کیا پھرتیسے دن بھی آپﷺ نے یہی سوال کیا تو اس طرح

اس نے جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ثمامہ کو چھوڑ دو وہ مسجد کے قریب ہی ایک باغ کی طرف گیا اور غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہا کہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اے محمد! اللہ کی قسم زمین پر کوئی ایسا چہرہ نہ تھا جو مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض ہو پس اب آپ کا چہرہ اقدس مجھے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے اور اللہ کی قسم آپ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ شہر میرے نزدیک کوئی نہ تھا پس اب آپ کا شہر میرے نزدیک تمام شہروں سے زیادہ پسندیدہ ہو گیا ہے۔

اور آپ کے لشکر نے مجھے اس حال میں گرفتار کیا کہ میں عمرہ کا ارادہ رکھتا تھا آپ کا کیا مشورہ ہے؟ آپ ﷺ نے اسے بشارت دی اور حکم دیا کہ وہ عمرہ کرے جب وہ مکہ آئے تو انہیں کسی کہنے والے نے کہا کیا تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو؟ انہوں نے کہا، نہیں بلکہ میں اللہ کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں، اللہ کی قسم تمہارے پاس یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا یہاں تک اس بارے میں رسول اللہ ﷺ اجازت مرحمت فرمادے۔ (مسلم شریف:۲/۶۵۳)

☆

(۱) امام شافعی : مشرک کا مسجد حرام اور حرم میں آنا حرام ہے۔ اور دیگر مساجد میں اجازت لیکر آسکتے ہیں۔

(۲) امام ابوحنیفہ: مسجد حرام میں بھی داخل ہونا جائز ہے۔

(۳) شاہ صاحب فرماتے ہیں: امام محمد کا مسلک امام شافعی کی طرح ہے اور یہی راجح ہے مگر امام مالک، امام مزنی بلکہ سخت ہیں کہ کہیں بھی اس کا داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

(۴) امام احمد: مسجد حرام میں مطلق ناجائز ہے اور دیگر مساجد کے بارے میں دو اقوال ہیں :(۱) اجازت لیکر داخل ہو (۲) مطلق جائز ہے۔

از : طلبۂ دورۂ حدیث
۱۴۳۶/۳۷ھ ۲۰۱۵/۱۶ء

كتاب اللقطة

(جمع وترتیب : محمد اسجد ملپا)

سوال:(۱۱۱) (۱)عن سمرة بن جندب ؓ أن النبي ﷺ قال : اذاأتى أحدكم على ماشية ،فإن كان فيهاصاحبهافليستأذنه ،فإن أذن له فليحتلب وليشرب ،وإن لم يكن فيهاأحد فليُصَوِّت ثلاثا ،فإن أجابه أحد فليستأذنه ،فإن لم يُجبه أحد فليحتلب وليشرب ، ولا يحمل .(ترمذی : ۱۲۹۶)

(۲) عن عبد الله بن عمر ؓ أن رسول الله ﷺ قال : لا يحلُبَنَّ أحد ماشية امرئٍ بغير اذنه (بخاری : ۲۳۷۱۔فتح الباری : ۲۴۳۵)

ترجمہ کیجیے،مسئلہ مذکورہ میں ائمہ کرام کے مذاہب ودلائل اور مذکورہ حدیث کے محامل بیان کیجیے،کسی باغ سے گزرنے والے کے لئے اس کا پھل کھانے کے متعلق مسالک لکھیے۔

جواب : ترجمہ : (۱)جب تم میں سے کوئی چوپائے کے پاس سے گزرے،تو اگر وہاں اسکا مالک ہوتو اس سے اجازت لے،اگر وہ اسکو اجازت دے تو اسکو چاہیے کہ دودھ نکالے اور پیے،اور اگر مالک موجود نہ ہو تو اسکو چاہیے کہ تین مرتبہ آواز لگائے،اگر کوئی جواب دے تو اس سے اجازت لے،اگر کوئی جواب نہ دے تو دودھ نکال کر پیے اور ساتھ نہ لیجائے۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : کہ کوئی کسی آدمی کے چوپائے کا دودھ نہ دوہے،اس کی اجازت کے بغیر۔

دوسرے کے چوپائے کا دودھ دوہنے کے سلسلے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے :

(۱) امام احمدؒ،اسحاقؒ : مالک کی اجازت کے بغیر مضطر کے علاوہ کیلئے بھی دوسرے آدمی کے چوپائے کا دودھ دوہنے کے جواز کی طرف گئے ہیں۔

دلیل : (۱)سفر ہجرت میں حضرت ابوبکرؓ نے قریش کے ایک آدمی کی بکری کا دودھ نبی کریم ﷺ کے لئے دوہا،جبکہ اسکا مالک غائب تھا۔

(۲)عن ابن عمر ؓ عن النبي ﷺ قال : من دخل حائطا ليأكل غير متخذ خبنةفلا شئ عليه .

(۲) جمہور : اس بات کی طرف گئے ہیں کہ مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کے مویشی کا دودھ دوہنا جائز نہیں،الا یہ کہ حالت اضطرار میں ہو تو دودھ کر پی سکتا ہے۔

دلیل : ابن عمرؓ کی مذکورہ حدیث : لا يحلبن احد ماشيةامرئ بغير اذنه.

جواب : جمہور نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ نہی والی حدیث اصح اور اولی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

محامل حدیث :

(۱) بعض : امام احمدؒ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے اسکو سخت بھوک کی حالت میں اور ضرورت پر محمول کیا ہے۔

(۲) بعضوں نے دو حدیثوں کے درمیان تطبیق دی ہے۔ اجازت والی حدیث اس بات پر محمول ہے کہ مالک کا اس سے راضی ہونے کا علم ہو،اور ممانعت اسوقت جبکہ طیب نفس کا علم نہ ہو۔

(۳) بعض نے نہی والی حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ اسوقت ہے جبکہ مالک گزرنے والے سے زیادہ محتاج اور ضرورت مند ہو،اور اجازت اسوقت جبکہ مالک محتاج نہ ہو۔

(۴) بعض : اجازت اسوقت ہوگی جب کہ تھن بندھے ہوئے نہ ہوں،اور ممانعت اسوقت جبکہ تھن بندھے ہوئے ہو۔

(۵) ابن عربیؒ نے اسکو عادۃ یعنی عرف پر محمول کیا ہے،یعنی اگر شہر والے اس میں درگزر اور مسامحت سے کام لیتے ہیں تو جائز ہے،اور جہاں نہیں،وہاں نہیں۔

(۶) بعض : اجازت اسوقت جبکہ یہ اہل ذمی کے ہوں،اور ممانعت اسوقت جبکہ یہ مواشی مسلمانوں کے ہوں۔

باغ سے گذرنے والے کیلئے پھل کھانے کے متعلق مسالک :

(۱) جمہور : کسی کے باغ پر سے گذر ہو،تو اس میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے،مگر ضرورت کے وقت،تو وہ ضرورت کے وقت لے گا اور تاوان بھی دے گا،اور بعض سلف کا کہنا ہے کی کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

(۲) امام احمدؒ : کی دو(۲)روایتوں میں سے اصح روایت یہ ہے کہ باغ کو اگر دیوار نہ ہو تو تازہ میوے کھانا اسکو جائز ہے اور ضمان اس پر نہیں ہوگا۔

(تحفۃ الاحوذی : ۴/۴۲۷)

كتاب الجهاد

(جمع وترتیب: مولوی عمران پٹیل)

سوال:(۱۱۲) **قال النبی ﷺ : أنه لا يأتي الخير بالشر و أنه مما ينبت الربيع يقتل او يلمّ إلا آكله الخضراء اكلت حتى إذا امتدت حاصرتا ها استقبلت عين الشمس فتلطت و بالت و دلعت و إن هذا المال خضرة حلوة فنعم صاحب المسلم ما أعطى منه المسكين و اليتيم و ابن السبيل او كما قال النبی ﷺ و انه من ياخذ ه بغير حقه كالذی ياكل و لا يشبع و تكون شهيدا عليه يوم القيامة** ۔(بخاری: ح/۱۴۶۵)

جواب: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ خیر، شرنہیں لاتا مگر موسم بہار میں جوگھاس اگاتی ہے وہ کبھی مار ڈالتی ہے یا مرنے کے قریب کر دیتی ہے۔البتہ ہریالی چرنے والا جانور بچ جاتا ہے جوخوب چرتا ہے پھر جب اسکی دونوں کوکھیں بھر جاتی ہیں تو سورج کی طرف رخ کر کے پیشاب یا پاخانہ کر لیتا ہے۔اسی طرح مال و دولت بھی ایک خوشبودار، خوشگوار سبزہ ہے۔تو مسلمان کا وہ مال کتنا عمدہ ہے جومسکین، یتیم اور مسافر کو دیا جائے اور جوشخص استحقاق کے بغیر زکوۃ لیتا ہے تو اسکی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا اور وہ قیامت کے دن اسکے خلاف ہوگا۔

(جمع وترتیب : مولوی محمد اسجد ملپا بھٹکلی)

سوال : (۱۱۳) **عن اسامة بن زيد قال : قلت: يا رسول الله ! اين تنزل غداً في حجته ، قال: وهل ترک لنا عقيل منزلاً ثم قال: نحن نازلون غداً بخيف بنی كنانة المحصب حيث قاسمت قريش على الكفر و ذلک أن بنی كنانة حالفت قريشا على بنی هشام أن لا يبايعوهم ولا يؤووهم (بخاری : ح/ ۲۹۶۱ ؛ فتح الباری: ح/ ۳۰۵۸) . قال البخاری: إذا اسلم قوم فی دارالحرب ولهم مال و أرضون فهی لهم۔**

ترجمہ، مسئلہ مذکور میں اختلاف ائمہ نقل کیجئے۔

جواب: حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں: میں نے کہا حجۃ الوداع کے موقع پر: ''اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کل کہاں قیام فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا بھی ہے؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ہم کل بنو کنانہ کے خیف محصب میں اترنے والے ہیں جہاں پر قریش کے لوگوں نے کفر پر قسم کھائی تھی اور واقعہ یہ ہوا کہ بنوکنانہ اور قریش نے بنو ہاشم کے خلاف یہ عہد کیا تھا کہ نہ ان سے خرید و فروخت کی جائے اور نہ انہیں گھر آنے دیا جائے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: جب کوئی قوم دارالحرب میں رہ کر ہی مسلمان ہو جائے اور انکے پاس مال و جائیداد ہے تو وہ انہیں کیلئے ہوگا۔

مسئلہ مذکورہ۔

(۱) احناف کا کہنا ہے کہ جب حربی دارالحرب میں اسلام لے آئے اور وہی مقیم ہو تو تمام مال کا حقدار ہوگا سوائے زمین و جائیداد کے کیونکہ وہ تو مسلمان کے لئے فئی شمار ہوگی۔

(۲) جمہور اور امام ابو یوسف، امام ابوحنیفہؒ کے برخلاف ہیں کہ اگر اسلام لے آئے تو تمام مال یہاں تک کہ زمین و جائیداد بھی اسی کے لئے ہوگا۔دلیل: **إذا اسلم الرجل فهو احق بأرضه و ماله** ۔

سوال:(۱۱۴) **عن ابن عمرؓ : أن رسول الله ﷺ جعل للفرس سهمين و لصاحبه سهما....**

جواب: ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے کے دو حصے اور سوار کا ایک حصہ لگایا۔

مجاہد، فارس کو دو حصے ملیں گے یا تین حصے؟

(۱) امام ابوحنیفہؒ: فارس کو دو حصے ملیں گے؛ ایک حصہ اس کا اور ایک حصہ گھوڑے کا۔

دلیل: عن علیؓ قال: للفارس سهم ا(ابوداود)۔

(۲) ائمہ ثلاثہ: فارس کو تین حصے ملیں گے؛ ایک ایک حصہ مجاہد کا، دو حصے اس کے گھوڑے کے۔

دلیل: مذکورہ حدیث (جعل للفرس سهمين....) (بخاری: ح/........؛ فتح الباری: ۸۶/۶)۔

احناف کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اکثر روایات میں تین حصوں کا ذکر ہے ااور سندیں اثبت ہیں اور اسکے ساتھ مسلم کی زیادتی بھی ہے۔

سوال: (۱۱۵) ان رسول الله ﷺ كتب الى قيصر وقال فان توليت فإن عليك اثم الارسيين.

ترجمہ، کفار کو قرآن سکھا سکھتے ہیں یا نہیں؟ ائمہ کے اقوال تحریر کیجیے۔

جواب:

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے قیصر کی طرف خط لکھا، فرمایا: اگر تو نے روگردانی کی تو تمام رعایا کا وبال وگناہ بھی تجھ پر پڑے گا۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: غیر مسلم کو رشد وہدایت کے بعد اور قرآن کی تعلیم جائز ہے

(۲) امام مالکؒ سے عدم جواز کا قول منقول ہے۔

(۳) امام شافعیؒ کا راجح قول: اگر اس کو سکھانے اور ہدایات کرنے سے دین میں رغبت اور دین میں داخل ہونے کی امید ہو تو سکھا سکتے ہیں ورلا فلا۔

سوال: (۱۱۶) عن ابی هریرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: الشهداء خمسة المطعون ، و المبطون و صاحب الهدم و الشهيد فی سبيل الله. (فتح الباری: ۲۸۲۹)۔

ترجمہ، شہید کو شہید کیوں کہتے ہیں؟ کیا شہید پانچ ہی ہیں؟

جواب:

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شہداء پانچ قسم کے لوگ ہیں: (۱) طاعون کے بیماری میں مرا ہو، (۲) بیٹ کی بیماری میں مرا ہو، (۳) ڈوب کر مرا ہو، (۴) دب کر مرا ہو، (۵) اللہ کے راستہ میں شہید ہونے والا۔

شہید کو شہید کیوں کہتے ہیں؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) اسلئے کہ اللہ تعالی اور ملائکہ اسکے لئے جنت کی گواہی دیتے ہیں۔

(۲) اس لئے کہ وہ زندہ ہے گویا کہ انکی روح شاہد (حاضر) ہے۔

(۳) اس لئے کہ روح نکلتے وقت جو اللہ نے اسکے لئے نوازشات تیار کر رکھی ہے اسکو دیکھتا ہے (مشاہدہ کرتا ہے)۔

(۴) وہ اسکا مشاہدہ کرتا ہے کہ جہنم سے مامون ہے۔

(۵) خون وغیرہ اس پر گواہ ہوں گے کہ وہ شہید ہے۔

(۶) اس لئے کہ موت کے وقت ملائکۂ رحمت کی حاضری ہوتی ہے۔

(۷) ملائکہ حسن خاتمہ کی گواہی دیں گے۔

(۸) انبیاء حسن اتباع کی گواہی دینگے۔

(۹) اللہ تعالی حسن نیت اور اخلاص کی گواہی دیں گے۔

(۱۰) ملائکہ موت کے وقت حاضر ہوتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے پانچ پر انحصار کیا ہے اور بعض احادیث میں پانچ سے زائد ہیں۔ امام بخاری کا اس سے تحدید مراد نہیں ہے۔

بعض طرق میں ۲۰/ خصلتیں ذکر کی گئی ہیں اور بعض میں ۱۴/ خصلتیں ہیں۔ تمام کا حاصل یہ ہے کہ شہداء دو طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱) دنیا کا شہید، (۲) آخرت کا شہید۔ اور اس سے وہ مراد ہے جو میدان جنگ میں کفار کے ساتھ اخلاص کے ساتھ لڑ کر شہید ہو۔

کتاب فرض الخمس

(جمع وترتیب :مولوی محمد اسجد ملپا)

سوال:(۱۱۷) **فقال (نبی من الأنبیاء) للشمس:" إنک مأمورة و انا مأمور اللھم احبسھا علینا "و حبست حتی فتح اللہ علیہ ....**

(فتح الباری : ۳۱۲۴)

ترجمہ، نبی سےکونسے نبی مراد ہے؟ایک حدیث میں ہے **أن الشمس لم تحبس إلا لیوشع بن نون** ،جبکہ اورکئی احادیث سے دوسرے انبیاء کیلئے بھی ثابت ہوتا ہے، جواب کیا ہوگا؟

جواب:

ترجمہ:ایک نبی سے سورج سے کہا:''تو مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں،اے اللہ سورج کو ہم پر روک دیجئے''،تو سورج روک دیا گیا یہاں تک کہ اللہ نے فتح دلادی۔نبی سے یوشع بن نونؑ مراد ہے

تعارض ورفع تعارض:

ایک حدیث میں ہے **أن الشمس لم تحبسی إلا لیوشع بن نون** ۔دیگر احادیث میں ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کیلئے،حضرت سلیمانؑ کیلئے اور آپ ﷺ کے لئے بھی رکنے کا تذکرہ ملتا ہے۔

جواب: (۱)اس کا جواب حافظ صاحبؒ نے یہ دیا ہے کہ جن کیلئے طلوع فجر روکا گیا تھا تو اعتراض نہیں ہوگا اس لئے کہ یوشعؑ کیلئے حصر غروب کے اعتبار سے ہے۔

(۲)یوشعؑ کیلئے سورج روکنے کا واقعہ ایک قصیدہ میں تھا جو کہ مشہور تھا اسلئے کہا گیا:شعر:

فواللہ لا أدری أأحلام نائم ألمت بنا کان فی الرکب یوشعؑ

(۳)یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حصر یوشعؑ سے ماقبل کے اعتبار سے ہو کہ یوشعؑ سے پہلے کسی نبی پر روکا نہیں گیا۔اس میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ بعد میں بھی روکا نہیں گیا ۔(فتح الباری:۲۸۰/۶)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سوال:(۱۱۸) **قال عبداللہ قال رسول اللہ ﷺ : الناس تبع لقریش فی الخیر و الشر (مسلم : ۱۱۹/۲) ۔**

ترجمہ،قریش کو کب تک مقدم کریں گے؟ قریش سے کون مراد ہے؟ ایک حدیث میں ہے کہ ۱۲/خلیفہ گذرنے تک خلیفہ کا سلسلہ جاری رہے گا،جبکہ ایک حدیث میں ہے کہ میرے بعد خلافت ۳۰/سال ہوگی۔اس کا جواب کیا ہوگا؟ نیز ۱۲/سے دلالت ہوتی ہے کہ ۱۲/آئیں گے جبکہ تاریخ سے دلالت ہوتی ہے کہ ۱۲/سے زائد خلفاء آئیں، نیز ۱۲/خلفاء کے نام لکھئے۔

جواب:

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:لوگ خیر وشر میں قریش کے تابع ہیں (جملہ امور میں)۔

یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ قریش میں خلافت کے اہل لوگ موجود ہو۔اگر زمانہ ایسا آئے کہ قریش میں کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جو اہل ہو اور مشرکین کے علاوہ میں اہل لوگ موجود ہو،تو قریش کے علاوہ کو خلیفہ بنانا درست ہوگا۔

☆ قریش سے مراد: (۱)نضر بن کنانہ کی اولاد ہے، (۲)فہر بن مالک بن نضر کی اولاد ہے۔

اعتراض:

(۱)ایک حدیث میں ہے کہ ۱۲/خلیفہ گذرنے تک خلیفہ کا سلسلہ جاری رہے گا،جبکہ ایک حدیث میں ہے کہ میرے بعد خلافت ۳۰/سال ہوگی۔اشکال یہ ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین کا زمانہ ہی ۳۰/سالوں پر محیط ہے جبکہ حدیث ۱۲/خلیفہ پر دلالت کرتی ہے۔

جواب: اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو''الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ'' بیان فرمایا ہے اس سے مراد منہج نبوت ہے یعنی منہج نبوت پر خلافت ۳۰/

سال تک رہے گی اور یہاں تمام ۱۲/خلیفہ منہج نبوت پر باقی رہے اسکی خبر نہیں ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں ۱۲/اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ ۱۲/ سے زائد ہیں۔
جواب: اسکا جواب علامہ نوویؒ نے دیا ہے کہ یہ اشکال بظاہر درست نہیں، یہ اشکال باطل ہے، اس لئے کہ ۱۲/ سے زائد خلفاء کی نفی نہیں ہے بلکہ آنے کی خبر ہے
۔

بارہ خلفاء کے نام:

(۱) حضرت ابوبکرؓ، (۲) حضرت عمرؓ، (۳) حضرت عثمانؓ، (۴) حضرت علیؓ، (۵) امیر معاویہؓ، (۶) یزید بن معاویہ، (۷) عبدالملک بن مروان، (۸) ولید بن عبدالملک، (۹) ہشام بن عبدالملک، (۱۰) سلیمان بن عبدالملک، (۱۱) عمر بن عبدالعزیز، (۱۲) یزید بن ولید بن عبدالملک۔

تمت بعون الله تبارك وتعالى

ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطأنا ....آمين